ان من البیان لسحرا
ولولہ انگیز تقریریں
شہزادہ حضور صدر الشریعہ علامہ
قادری
https://t.me/faizaealahazrat
مرتب PDF
محمد منصف
حسین اجملی
امجدی بکڈپو

ان من البیان لسحراً

ولولہ انگیز تقریریں

مصنف

شہزادۂ حضور صدر الشریعہ
حضرت علامہ فداء المصطفیٰ قادری
شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ بدر العلوم قصبہ خاص گھوسی، مئو

ناشر

امجدی بک ڈپو

مدھوبن روڈ گھوسی، مئو (یوپی)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب:............ولولہ انگیز تقریریں

مصنف:............حضرت علامہ فداء المصطفیٰ صاحب قادری

کمپوزنگ:............محمد کمیل (ریحان کمپیوٹرس)
مدھوبن روڈ گھوسی

پروف ریڈنگ:............مولانا حسان المصطفیٰ قادری

باہتمام:............مولانا ریحان المصطفیٰ قادری

تعداد:............گیارہ سو (۱۱۰۰)

صفحات:............ ۲۰۰

سن اشاعت:............۲۰۱۴ء

قیمت:............

ناشر:............امجدی بک ڈپو۔ مدھوبن روڈ گھوسی مئو

AMJADI BOOKDEPOT

Madhuban Road Ghosi Mau (U.P)

Pin. 275304

Mobile. 8957612816 / 8090932113

لفظ در پیش

یہ کتاب میری ان تقریروں کا مجموعہ ہے جنھیں میں نے مختلف جلسوں میں مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کی تھیں۔

میرے لڑکے حافظ، قاری، مولانا ریحان المصطفیٰ قادری مالک مکتبہ امجدیہ گھوسی بار بار مجھ سے یہ ذکر کرتے رہے کہ مختلف علما اور مقررین کی تقریروں کی کتابیں مارکیٹ میں دستیاب ہیں اور لوگ اس سے مستفید بھی ہو رہے ہیں۔ میری خواہش اور تمنا ہے کہ آپ بھی اپنی تقریروں کا ایک مجموعہ مختصر انداز میں تحریر کرادیں تاکہ نو آموز مقررین اور طلبہ کو کچھ فائدہ پہنچ سکے۔

صاحبزادے کے مسلسل اصرار اور فرمائش سے متاثر ہو کر میں نے اپنی کی ہوئی تقریروں کو اپنی یادداشت کے سہارے مختصر انداز میں سادی اور سلیس اردو میں تحریر کرادی۔

ان خطبات کو معرض تحریر میں لانے میں یہ مقصد بھی کارفرما ہے کہ وہ طلبہ اور طالبات جو میدان خطابت میں قدم رکھنا چاہتے ہیں اور جنھیں تقریر و خطابت کا ذوق ہے اور نیز دین کی ترویج و اشاعت کے لیے مذہبی اسٹیج پر اپنا کردار ادا کرنا چاہتے ہیں۔ انھیں اس کتاب سے خاطر خواہ فائدہ پہنچ سکے۔

اسی لیے میں نے ان مبتدی مقررین کے لیے کچھ ہدایتیں بھی تحریر کردی ہیں تاکہ وہ اس پر عمل کر کے برجستگی کے ساتھ تقریر کرنا سیکھ لیں۔

رب تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے حبیب کے صدقہ میں میرے مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین۔ فقط

(مولانا) فداء المصطفیٰ قادری

شہزادۂ صدر الشریعہ

علامہ فداء المصطفیٰ قادری امجدی

ایک مختصر تعارف

از: حسان المصطفیٰ قادری

حضور صدر الشریعہ امجد علی اعظمی قدس سرہ کی علمی وروحانی صحبت نے بے شمار افراد کو نوازا ان کے فیض یافتگان لاتعداد ہیں۔ اپنے بھی ہیں، غیر بھی، ہندو پاک کے بھی ہیں اور دیگر ممالک کے بھی، علما، صلحا، عرفا، ادبا بھی، فقرا، اغنیا، اطبا بھی، درس گاہی اور خانقاہی بھی۔ سب اپنے اپنے وقت کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔

جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے

ان عظیم شخصیتوں میں ایک نہایت ہی پر کشش وبارعب شخصیت، علم و عمل، شعروادب، تقریر وتدریس، تصنیف وتالیف میں عظیم المرتبت، حضور صدر الشریعہ کے چشم وچراغ حضرت علامہ مولانا فداء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی کی ذات بابرکات ہے۔

ولادت وجائے پیدائش:۔ آپ کی ولادت باسعادت ریاست دادوں علی گڑھ میں ہوئی۔ اس وقت صدر الشریعہ اپنی حرم محترم کے ساتھ دادوں میں ہی علمی فیضان بانٹ رہے تھے۔

مسکن وموطن:۔ (مدینۃ العلما) گھوسی شریف آپ کا وطن ہے۔

تربیت:۔ اپنے والد ماجد اور والدہ کریمہ کے زیر تربیت پروان چڑھ رہے تھے، جب تقریباً سوا چار سال کے ہوئے تو سر سے سایۂ پدری اٹھ گیا۔ اب آپ کی مکمل نگہداشت وذمہ داری والدہ کے سر آگئی۔

صدر الشریعہ کی محبت ونوازش:۔ حضور صدر الشریعہ آپ کو بے انتہا محبوب

رکھتے۔ بھوک یا کسی قسم کی تکلیف سے آپ کا رونا بلکنا برداشت نہ کرتے، فورا تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کرتے۔ اکثر فرماتے: میرا یہ بیٹا ولی ہوگا۔

حرم محترم حضور صدرالشریعہ فرماتی ہیں: کہ جب فداء المصطفیٰ نے بولنا شروع کیا تو طلوع فجر کے وقت نماز فجر کے لیے سب کو بیدار کرتے، کہتے: اماجی اللہ حق ھو، اللہ حق ھو۔ اسی وجہ سے صدرالشریعہ فرماتے: ''میرا بیٹا ولی ہوگا''۔

ابتدائی تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم اپنی والدہ حرم محترم حضور صدرالشریعہ سے حاصل کی، قاعدہ، اردو، قرآن شریف، فارسی، عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھا۔ پھر فارسی اول، دوم، القراۃ الرشیدہ، آمدنامہ وغیرہ بھی پڑھا۔

اعلیٰ تعلیم:۔ آپ کی اعلیٰ تعلیم دارالعلوم شمس العلوم گھوسی، جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس، جامعہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور میں ہوئی۔ عالمیت کی تکمیل کے بعد عصری علوم کی تحصیل شروع کردی اور ممتاز مقام حاصل کیا، فقہ وحدیث، منطق وفلسفہ اور دیگر کتابوں کا درس گھر پر ہی محدث کبیر سے لیا۔

فراغت:۔ ۱۹۷۸ء میں جامعہ منظر الاسلام بریلی شریف سے سند ودستار فضیلت حاصل کی، اس وقت آپ شمس العلوم میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

تدریس:۔ ۱۹۷۲ء میں ہاشمیہ ہائی اسکول ممبئی میں ٹیچر مقرر ہوئے، برسوں تک وہاں عربی، انگلش، جغرافیہ، میتھ پڑھایا۔ آپ انگلش کے ماہر استاذ مانے جاتے، طلبا کی خواہش پر تقریر ومکالمات لکھ کر دیا کرتے۔ آپ کی تدریسی لیاقت اور افہام وتفہیم کا ملکہ نے سبھی کو متاثر کیا۔ پھر حضور محدث کبیر کے حکم پر جامعہ شمس العلوم گھوسی تشریف لائے اور ۳۰۰/روپئے ماہانہ تنخواہ پر بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ علوم دینیہ کی تدریس کا آغاز یہیں سے کیا اور تاوقت ریٹائر یہیں تعلیمی خدمات انجام دی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد علامہ بدرالقادری (ہالینڈ) کے پیہم اصرار پہ بحیثیت سربراہ اعلیٰ وشیخ الحدیث آپ کے قائم کردہ ادارہ بدرالعلوم گھوسی میں دینی ومذہبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

پروردگار عالم نے آپ کو متعدد علوم وفنون پر مہارت عطا کی ہے، افہام وتفہیم

کا ملکہ وراثت میں ملا ہے، درسگاہ میں طلبا آپ کی تقریر سن کر مسرور بھی ہوتے اور مطمئن بھی، متعدد فنون کا درس دیتے، معقولات ومنقولات میں جلوے دکھاتے، منطق وفلسفہ، فقہ وحدیث، علم کلام وادب، صرف ونحو لگن سے پڑھاتے۔

وعظ وخطابت:۔آپ ایک بلند پایہ اور ساحرالبیان خطیب ہیں، انداز نہایت شیریں، لہجہ سنجیدہ، گفتگو میں وزن، آواز میں کڑک اور دھمک، تقریر میں مزاح بھی ہوتا اور ادب کا لطف بھی۔علماوعوام سبھی کے نزدیک آپ کی تقریر پسند کی جاتی اور خوب پذیرائی ہوتی۔دور دراز مقامات کا سفر فرما کر دین ومسلک کی ترویج واشاعت میں مصروف رہتے ہیں۔

تصنیفات و تالیفات:۔آپ صاحب طرز قلم کار اور ادیب ہیں، تصنیف وتالیف کا مذاق رکھتے ہیں۔آپ کی متعدد نگارشات منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔مثلاً:

(۱) تنویر الآثار: مشکوۃ شریف سے خاص خاص موضوع پر چنی گئی حدیثوں کا مجموعہ ہے۔یہ بطور ادب وحدیث متعدد مدارس میں داخل نصاب ہے۔

(۲) تفہیم الکبریٰ: یہ فن منطق کی ابتدائی کتاب کبریٰ کی شرح ہے۔سلیس ترجمہ، سیدھے سادے انداز میں مثالوں کے ساتھ تشریح۔

(۳) تفہیمات: تفہیم الکبریٰ کے بعد لکھی گئی مرقات کی شرح ہے۔

انداز بیان اور طرز تشریح کے سبب مدرسین و متعلمین کے درمیان تفہیم الکبریٰ اور تفہیمات انتہائی مقبول ہے۔ان کے علاوہ نحوی کتابوں کی تشریح اور ''ولولہ انگیز تقریریں'' جلد دوم کی تصنیف وتالیف میں مصروف ہیں۔

شعر وادب:۔آپ شعر وشاعری سے بھی شغف رکھتے ہیں، قادرالکلام اور بلند خیال شاعر ہیں، برجستہ شعر کہتے ہیں۔آپ کی نعت ومنقبت کو مرتب کیا جائے تو ایک بہترین کتاب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگی اور نعتیہ شاعری کے حوالے سے آپ کی اردو ادب کی خدمات لوگوں کے نزدیک متعارف ہوگی۔

بیعت:۔شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خان قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے آپ کو کم سنی میں سلسلہ عالیہ قادریہ، برکاتیہ، رضویہ، نوریہ

میں داخل فرمایا۔اس وقت مفتی اعظم ہند قادری منزل میں ہی تشریف فرما تھے۔
خلافت:۔قاضی القضاۃ فی الہند، فخرازہر حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان قادری مدظلہ العالی نے آپ کو خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔
رضا و خانوادۂ رضا سے محبت:۔مفتی اعظم ہند سے آپ کو حد درجہ عقیدت ہے۔ آپ کے بچپن میں مفتی اعظم ہند جب گھوسی تشریف لاتے تو آپ ان سے انتہائی قریب رہتے ان کی خدمت اور خاطر و تواضع میں لگے رہتے، کہیں کوئی دعوت ہوتی تو مفتی اعظم آپ کو اپنے ساتھ لے جاتے۔اپنی اہلیہ محترمہ کو مفتی اعظم ہند اور تمام اولاد کو تاج الشریعہ سے بیعت کرایا۔
تربیت اولاد:۔ایک اہم دینی فریضہ ہے۔آپ نے اپنی تمام اولاد کو بہترین تعلیم وتربیت دی، اخلاق حسنہ سے سنوارا، مسلک اعلیٰ حضرت کا پابند بنایا۔سبھی عالم، عالمہ ہیں۔
حج و زیارت:۔اپنی اہلیہ مکرمہ کے ساتھ ۲۰۰۴ء میں زیارت حرمین شریفین کی سعادت سے مشرف ہوئے۔۲۰۱۱ء میں عمرہ کے لیے گئے وہاں سے بیت المقدس، شام، اردن اور بغداد میں بہت سے انبیا واولیا کی مزارات مقدسہ کی زیارت فرمائی۔
ازدواج:۔دسمبر ۱۹۷۹ء میں آپ کی والدہ مکرمہ نے آپ کا نکاح اپنے نیہالی رشتے میں کرایا۔آپ کی اہلیہ محترمہ بہت ہی نیک، پرہیزگار، ملنسار ہیں۔بچوں کی تعلیم وتربیت اور اخلاق و کردار میں آپ کا اہم رول ہے۔
محاسن و خوبی:۔بلند اخلاق و کردار، بلند عادات واطوار، تواضع وانکساری حلم و بردباری، مہمان نوازی، غربا پروری آپ کے امتیازات ہیں، توکل علی اللہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔آپ کا ظاہر وباطن یکساں ہے، چھوٹوں پر نہایت مہربان بڑوں کے قدردان، ہر ایک سے یکساں سلوک ومحبت رکھتے ہیں۔

اللہ آپ کا سایۂ فضل وکرم ہم پر دراز فرمائے، عمر طویل عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم.

انداز خطیبانہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر انسان کے اندر تقریر وخطابت کی کم وبیش صلاحیتیں پیدا فرمائیں ہیں۔ کچھ لوگ ان صلاحیتوں کو اپنی جدوجہد اور کوششوں سے تابناک بنا کر اچھے اور کامیاب مقرر اور خطیب بن جاتے ہیں۔ عوام وخواص ان کا خطاب سننے کی متمنی اور خواہشمند ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کو کامیاب تقریر کی یہ صلاحیتیں بیٹھے بیٹھائے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ انتھک کوشش اور مسلسل مشق کے بعد ہی ان کو یہ کامیابی حاصل ہوتی ہوگی۔

میری یہ تحریر ان طلبہ وطالبات کے لیے ہے۔ جن کے دلوں میں یہ تمنا انگڑائیاں لے رہی ہیں کہ اے کاش! ہم بھی ایک کامیاب خطیب یا خطیبہ بن جائیں اور سامعین کو اپنی تقریروں سے متاثر کرسکیں تا کہ آئندہ دین متین کی دعوت وتبلیغ میں بھر پور حصہ لے سکیں اور لوگوں میں اللہ ورسول کے حکم پر عمل کرنے کا ذوق وشوق پیدا کرسکیں۔

ان خطابت میں قدم رکھنے والے طلبہ وطالبات کے لیے سب سے پہلے میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ اسٹیج پر کھڑے ہونے اور مائک کے سامنے آنے کا اپنے اندر حوصلہ پیدا کریں۔ ظاہر ہے کہ پہلی بار جب آپ سامعین کے سامنے مائک کے پاس کھڑے ہوں گے تو آپ کا دل آپ کے سینے میں لرز رہا ہوگا۔ قدم تھرا رہے ہوں گے۔ زبان خشک ہو رہی ہوگی۔ یہ سامعین کا رعب ہے جو آپ کے اوپر طاری ہو جائے گا۔ اسی کیفیت میں جو کچھ آپ کو کہنا یا سننا ہے۔ کانپتی ہوئی آواز کے ساتھ سنا ڈالیے۔ یاد رکھئے دو چار بار آپ کو اس کیفیت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ لہٰذا اس حالت سے آپ ہرگز مایوس نہ ہوں۔ بلکہ نئے حوصلے کے

ساتھ سامعین کا سامنا کرتے رہیں۔ آہستہ آہستہ لرزہ براندام ہونے والی کیفیت ختم ہو جائے گی اور سامعین کا تمام رعب وداب ہوا ہو جائے گا۔ پھر آپ بڑی خود اعتمادی اور حوصلے کے ساتھ سامعین کو خطاب کرنے لگیں گے۔

یاد رکھیں! یہ صورت حال صرف آپ کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ اپنے وقت کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے مقرر کو ان ہیبت ناک مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہی مقرر شعلہ بیان اور خطیب ذی شان بننا نصیب ہوتا ہے۔

میں بہت سے علامۃ الدھر کو جانتا ہوں۔ جن کے دل و دماغ علم وحکمت کی دولت سے معمور ہیں۔ جو اپنی درسگاہوں اور اپنی نجی مجلسوں میں علم وحکمت کے گوہر لٹاتے ہیں۔ اپنی علمی موشگافیوں سے اپنے ہم نشینوں کو انگشت بدنداں کر دیتے ہیں۔ لیکن انہیں لوگوں کو کسی اسٹیج پر کھڑا کر دیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا جیسے انہیں کچھ آتا ہی نہیں۔ زبان میں لکنت، ٹانگوں میں لغزش اور نہ جانے کن کن کیفیات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یہ صورت حال صرف اس لیے ہے کہ انہوں نے اپنے اندر سامعین کے سامنے آنے اور اسٹیج پر کھڑے ہونے کی جرأت ہی پیدا نہ کی۔

اس کے برخلاف بہت سے ایسے مقرر بھی ہیں۔ جو اپنی جماعت میں سب سے پیچھے بیٹھنے والے تھے۔ جنہیں کبھی سبق تک یاد نہ ہوا۔ جنہیں ایسے تیسے کر کے منتظمین مدرسہ نے دستار دے کر اپنا پیچھا چھڑایا۔ لیکن وہی جب بحیثیت مقرر اسٹیج پر کھڑے ہوتے ہیں تو ان کی دھواں دھار تقریر اور قادر الکلامی پر سارا مجمع جھوم جھوم اٹھتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے۔ جیسے اپنے وقت کا علامۃ الدھر بول رہا ہو۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہوتی ہے۔ البتہ اگر کوئی علم وفن کا ماہر۔ قرآن وحدیث کا رمز شناس اور فقہ کی باریکیوں سے آشنا ہو۔ مزید برآں ایک اچھا مقرر بھی ہو تو جب وہ اسٹیج پر کھڑا ہوگا تو ایسا معلوم ہوگا جیسے علم کا سمندر موجیں مار رہا ہو اور سارا مجمع ان موجوں سے شرابور ہو گیا ہو۔

یہ چند باتیں ان طلبہ اور طالبات کے لیے لکھ رہا ہوں۔ جنھوں نے میدان خطابت میں قدم رکھنے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے سب سے پہلے خطیب یا خطیبہ بننے کا اپنے اندر حوصلہ پیدا کریں اور اللہ کا نام لے کر کام کا آغاز کردیں۔ اب میں ان طلبہ وطالبات کے لیے چند ہدایتیں تحریر کررہا ہوں۔ اگر وہ اس پر عمل کریں گے تو ان شاء اللہ اچھے خطیب بن جائیں گے۔

﴿ہدایات﴾

(۱) آپ کوئی ایک تقریر جو آپ کو پسند آئے۔ خوب اچھی طرح زبانی یاد کرلیں اور اسے تقریر کے انداز میں دہراتے رہیں۔ تقریر اتنی ازبر یاد ہونی چاہیے کہ بولتے وقت کہیں اٹکنا نہ پڑے اور نہ ہکلانے کی نوبت آئے۔

(۲) اپنے اندر یہ اعتماد پیدا کرلیں کہ اس تقریر کو بڑے سے بڑے مجمع کے سامنے بلا جھجک پیش کرسکتا ہوں۔ یہ بات یاد رکھیں کہ یہ اعتماد اسی وقت پیدا ہوگا جب آپ تقریر کو خوب اچھی طرح سے رٹ لیں گے۔

(۳) تقریر کے لیے آپ کو بلائے جانے کے وقت آپ کا دل کتنا ہی دھڑک رہا ہو۔ اس کو آپ اپنے چہرے مہرے اور حرکات وسکنات سے ظاہر نہ ہونے دیں۔

(۴) جب اناؤنسر آپ کا نام پکارے تو آپ بڑے اطمینان کے ساتھ مائک کی طرف قدم بڑھائیں اور پورے اعتماد کے ساتھ مائک کے سامنے کھڑے ہوکر دس پندرہ سیکنڈ تک پورے مجمع کا جائزلیں۔

(۵) اب سلام اور خطبہ مسنونہ کے بعد سکون کے ساتھ تقریر کا آغاز کردیں۔

(۶) تقریر سے پہلے یا تقریر کے درمیان ہاتھ نہ باندھیں۔ کیونکہ درمیان تقریر آپ کو ہاتھوں سے بہت کام لینا ہے۔

(۷) تقریر کرتے وقت اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کر تقریر کریں۔

(۸) کھمبے کی طرح ایک جگہ کھڑے نہ رہیں۔ بلکہ گاہے بگاہے اپنا پہلو بدلتے رہیں اور مجمع کے مختلف گوشے کی طرف اپنا چہرہ پھیرتے رہیں تاکہ معلوم ہو کہ آپ کچھ سمجھانا چاہتے ہیں۔

(۹) درمیان تقریر اگر آپ کو خوف محسوس ہو تو اس کی طرف بالکل توجہ نہ دیں۔ بلکہ اپنی ساری توجہ مجمع کی طرف رکھیں۔

(۱۰) تقریر میں کون سا جملہ بلند آواز میں ادا کرنا ہے اور کون سا جملہ آہستگی کے ساتھ۔ اس کا تعین آپ خود کریں۔ جب مجمع کو برانگیختہ کرنا ہو اسی انداز میں اپنے ہاتھوں کو حرکت دیں۔

(۱۱) جس طرح چٹنی سے کھانا لذیذ بنایا جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہاتھوں کی حرکت سے تقریر میں جان ڈالی جاتی ہے۔

(۱۲) اگر ایک ہی جگہ کھڑے کھڑے بغیر ہاتھوں کو حرکت دیئے تقریر کریں گے تو آپ کی تقریر کی اثر آفرینی ختم ہو جائے گی اور ایسا معلوم ہوگا کہ کوئی طالب علم سبق سنا رہا ہے۔ لہٰذا آپ ہاتھوں کو موقع محل کے لحاظ سے حرکت دیتے رہیں۔

(۱۳) ایک تقریر بار بار مختلف بزموں میں کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی جھجک دور ہو جائے۔ اس کے بعد ہی دوسری تقریر یاد کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فضائل قرآن

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمْ

اَمَّابَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمْ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ

"لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَأَیْتَهٗ

خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهْ"

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ

الْاَمِیْنُ الْمَکِیْنُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ

الشَّاهِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنْ.

حضرات گرامی! عزیزان ملت اسلامیہ! آیئے سب سے پہلے ہم اورآپ انتہائی عقیدت ومحبت کے ساتھ آقائے نامدار، مدنی تاجدار، دونوں عالم کے مالک ومختار، جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار گہربار میں ہدیہ درود پیش کریں، پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَاماً عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهْ.

حضرات گرامی! اللہ رب العزت نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اپنے پیارے رسول جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرمایا اور پھر ان پر ایک ایسی مقدس کتاب نازل فرمائی جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

ہمارے آقا کی آمد سے پہلے دنیا ظلم وستم کا گہوارہ بنی ہوئی تھی۔ تہذیب وتمدن کا جنازہ اٹھ چکا تھا۔ پوری دنیا جہالت کی تاریکیوں کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ انسانیت سسک سسک کر دم توڑ چکی تھی۔ لیکن جب ہمارے آقا دنیا میں تشریف لائے تو آپ کی آمد سے سرزمین عرب کا گوشہ گوشہ بقعۂ نور بن گیا۔ ہر طرف علم وحکمت کے چشمے پھوٹ پڑے۔ الفت ومحبت اور اخوت ومساوات کا بول بالا ہوگیا۔ آپ کے نور سے ساری دنیا جگمگا اٹھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسی کتاب عطا فرمائی کہ جس کے بارے میں وہ خود ارشاد فرماتا ہے:

"لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ"

یعنی اگر ہم اس کتاب "قرآن" کو پہاڑ پر نازل فرماتے تو اے پیارے رسول آپ دیکھ لیتے کہ وہ پہاڑ خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ کتاب جسے ہم قرآن کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ اتنی عظیم اور قوت وطاقت والی ہے کہ جس سے پہاڑ چکنا چور ہو جائے۔ سنگلاخ چٹانوں کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھر جائیں۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کتاب نے لوگوں کے ذہن وفکر میں کیسا انقلاب برپا کردیا ہوگا۔ ایوان باطل کو کیسا زیروزبر کر کے رکھ دیا ہوگا۔

ایک بار حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک اونٹنی پر سوار ہو کر ایک پہاڑی کے اوپر سے گزر رہے تھے کہ اتنے میں حضور پر کچھ آیتیں نازل ہونے لگیں اس کے بوجھ سے اونٹنی بلبلا اٹھی اور اس کا پیر پہاڑ کی سخت چٹانوں میں دھنس گیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: کہ ایک بار بارگاہ مصطفیٰ میں میں حاضر تھا اور حضور کا دست مبارک میرے زانوں پر تھا کہ اتنے میں حضور پر وحی نازل ہونے لگی۔ اس وحی کے بوجھ سے حضور کے دست مبارک کا دباؤ میرے زانوں پر اتنا شدید تھا کہ جیسے میرے زانوں کی ہڈیاں ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔

محترم حاضرین کرام! اب آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ قرآن حکیم کی قوت وطاقت کیا ہے اور لوگوں کے ذہن وفکر میں انقلاب برپا کرنے کی کیسی طاقت موجود ہے۔

عرب کے لوگ اگرچہ ناخواندہ اور جاہل وگنوار تھے، تہذیب وتمدن سے عاری تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی زبان آوری اور قادر الکلامی پوری دنیا میں بے مثال تھی۔ ان کی فصاحت وبلاغت کا ڈنکا پورے عالم میں بج رہا تھا۔ ایک ایک نشست میں پوری پوری نظمیں فی البدیہہ کہہ دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کمال تھا۔

عرب کی سرزمین پر سال میں ایک میلہ لگا کرتا تھا جسے عکاظ کا میلہ کہا جاتا تھا۔ اس میلے میں عرب کے ہر قبیلے کے بڑے بڑے شعراء آتے، ان کے لیے الگ الگ اسٹیج لگایا جاتا، پھر شعر گوئی کا مقابلہ ہوتا اور جس شاعر کی نظم سب سے بہتر ہوتی اسے سونے کے پانی سے لکھ کر خانۂ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیا جاتا۔

انھیں ناخواندہ جاہلوں کی کہی ہوئی نظمیں آج بھی ہماری درسگاہوں میں سبعہ معلقہ کے نام سے داخل نصاب ہے۔

محترم حاضرین! عرب کے وہ لوگ جن کو اپنی فصاحت وبلاغت پر بڑا ناز تھا۔ جو اپنے سامنے ساری دنیا کو گونگا اور بہرہ سمجھتے تھے۔ جب ان کے سامنے میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا کلام پڑھ کر سنانا شروع کیا تو بڑے بڑے بولنے والوں کی بولتی بند ہوگئی۔ کلام الٰہی نے عرب کے فصیح وبلیغ شاعروں کی فصاحت وبلاغت کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی۔

محترم حاضرین کرام! مشرکین مکہ کا ایک بہت بڑا اجتماع ہے۔ قریش کے رئیس اور بڑے بڑے سردار اس اجتماع میں شریک ہیں۔ آپس میں گفتگو ہو رہی ہے۔ کہ آخر کیا بات ہے کہ ہم نے محمد ابن عبد اللہ اور ان کے ماننے والوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے، پتھروں کی بارش کی، راہوں میں کانٹے بچھائے، قسم قسم کے

جور وستم کا نشانہ بنائے، پھر بھی آخر کیا بات ہے کہ وہ نا قابل تسخیر چٹان کی طرح اپنی جگہ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ ان کے پیروں میں ذرا بھی لغزش نہ آئی، ہمارے معبودان باطل کا مذاق بنانا نہ چھوڑا۔ اپنے دین کی تبلیغ سے روگردانی نہ کی، ہر مصیبت اور ہر پریشانی کے مقابلے میں وہ کہتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں:

جو جان مانگو تو جان دیں گے جو مال مانگو تو مال دیں گے
مگر یہ ہم سے نہ ہو سکے گا نبی کا جاہ و جلال دیں گے

ہماری تمام کوششیں ناکام ہوتی جا رہی ہیں، اس لیے ان کو دوسرے انداز سے دعوت فکر دی جائے اور انھیں نئے مذہب سے برگشتہ کیا جائے۔

روسان مکہ نے کہا: اے عتبہ ابن ربیعہ! تم ایک قادر الکلام شاعر بھی ہو اور سحر البیان خطیب بھی، تمہاری خطابت سے لوگوں کی رگوں میں خون دوڑنے لگتا ہے، تم اپنے قادر الکلامی سے لوگوں کا مزاج بدل دیتے ہو، اس لیے تم جاؤ محمد ابن عبداللہ سے گفتگو کرو، اور کسی طور سے انھیں اس بات پر مجبور کردو کہ وہ اپنے نئے مذہب کی تبلیغ بند کر دیں اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں۔

چنانچہ عتبہ ابن ربیعہ بارگاہ مصطفیٰ میں حاضر ہوا اور اپنے مخصوص انداز میں کہنے لگا: اے محمد ابن عبداللہ! اگر تمہیں مال و دولت کی خواہش ہو تو ہم تمہارے قدموں میں مال و دولت کا انبار لگا دیں گے۔ اگر تم عرب کی سرداری چاہتے ہو تو ہم سب مل کر تمہیں اپنا سردار منتخب کر لیتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ آپ ہمارے معبودوں کا مذاق بنانا بند کریں اور اپنے مذہب کی تبلیغ روک دیں۔

عتبہ ابن ربیعہ کی اس گفتگو کے جواب میں ہمارے آقا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "سورۂ حٰمٓ" کی تلاوت شروع کر دی۔ ابھی عتبہ نے چند آیتیں ہی سنی تھیں کہ دل خشیت الٰہی سے کانپ اٹھا، پورا جسم لرزہ براندام ہو گیا، ذہن و فکر کی دنیا تہہ و بالا ہونے لگی، بے اختیار اس نے اپنا ہاتھ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک پر رکھ دیا اور کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) بس کرو اب اس سے زیادہ سننے کی تاب وتوانائی نہیں، میرا دل پھٹا جا رہا ہے، ذہن وفکر لرزہ براندام ہے۔ یہ کہتے ہوئے عتبہ ابن ربیعہ مشرکین مکہ کی طرف واپس آیا اور کہنے لگا: اے مکہ کے رئیسو! محمد کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ انھوں نے جو کلام سنایا ہے، نہ تو وہ شاعری ہے، نہ کہانت ہے اور نہ جادوگری ہے۔ وہ ایسا کلام ہے جس نے میرے ذہن کو تہہ وبالا کر کے رکھ دیا۔ اس کلام کی ہیبت سے دل پھٹا جا رہا ہے اس لیے میرا مشورہ یہی ہے کہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر وہ قوموں پر غالب آئے تو یہ عرب قوم کا غلبہ مانا جائے گا اور اگر مغلوب ہو گئے تو پیچھا چھوٹ جائے گا۔

محترم حاضرین کرام! قرآن حکیم کی اثر آفرینی ملاحظہ فرمائیں کہ عرب کے بڑے بڑے شاعر اور عظیم خطیب بھی اس کے سامنے بونے نظر آتے ہیں۔

یہ وہ کلام تھا جس نے انسانوں کے دلوں میں ایسا انقلاب برپا کیا کہ دشمن نے بھی آپ کی غلامی اختیار کرلی۔ خون کے پیاسے آپ کے جانثار بن گئے۔ اس کلام ربانی نے کفر وشرک کے ایوانوں میں ایسا زلزلہ پیدا کیا کہ کفار ومشرکین کے سارے منصوبے زیروزبر ہو کر رہ گئے۔ قرآن حکیم کی چند آیتیں بھی جن کے کان میں پڑ جاتی وہ اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو جاتا۔ جب عرب کے مشرکین نے یہ دیکھا تو یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔ یہ جادوگری ہے اور سحر ہے۔ لیکن قرآن حکیم نے صنادید عرب کے ان شعراء کو اور ان فصیح وبلیغ خطیبوں کو جن کے اشعار وخطابت کی چاشنی لوگوں کے کانوں میں رس گھولا کرتی تھیں جو لوگ الفاظ ومعانی کی ترکیبوں کو بازیچۂ اطفال سے زیادہ اہمیت دینے کے قائل نہ تھے۔

جو قرآن کو جادوگری اور ساحری اور حضور کو جادوگر اور ساحر کہا کرتے تھے

انہیں صنادید عرب کو جب قرآن حکیم نے للکار کر آواز دی:

"اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآئَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ"

اے سرزمین عرب کے شاعرو! اور خطیبو!

اے فصاحت و بلاغت کے علمبردارو!

اے کانٹوں کی نوک پر سورج کی کرن کو تولنے والو!

اے ساری دنیا کو اپنے سامنے گونگا اور بہرہ سمجھنے والو!

سنو! اگر تم کو اس کلام کو کلام الٰہی ہونے میں شک ہے تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لا دو اور اپنے بڑے بڑے استادوں اور نقادوں کو بلاؤ کہ وہ آکر فیصلہ کریں اگر تم لوگ اپنی بات میں سچے ہو۔

محترم حاضرین کرام! قرآن انہیں بار بار آواز دیتا رہا۔ بار بار للکارتا رہا۔ مگر کہیں سے کوئی جواب نہ آیا۔ ہر طرف موت کی خاموشی، ہر جانب پر ہول سناٹا، سب کے منہ پر تالے پڑ گئے: ؎

تیرے سامنے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے

کہوں کیا کہ منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

عرب کے بڑے بڑے مشرکین شعراء نے یہ کوشش کی کہ قرآن کی سورۃ جیسی ایک سورۃ بنائی جائے، اور پھر قرآن کے مقابلہ میں اسے پیش کر کے قرآن کے چیلنج کا جواب دے دیا جائے۔

چنانچہ عرب کے بڑے بڑے شاعروں نے قرآن حکیم کی ایک سورۃ "القارعة ماالقارعة" کو اپنے سامنے رکھ کر جدوجہد شروع کر دی اور ٹھیک اسی طرز پر کچھ جملے ترتیب دے دیئے۔

محترم حاضرین کرام! آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں

قیامت کی ہولنا کی کا ذکر کیا ہے۔

چنانچہ فرماتا ہے: "اَلْقَارِعَةُ مَاالْقَارِعَةُ وَمَا اَدْرَاکَ مَاالْقَارِعَةْ"
کھٹ کھٹا دینے والی، کیا کھٹ کھٹا دینے والی؟ اے پیارے محبوب! آپ جانتے ہیں وہ کونسا دن ہے جو کھٹکھٹا دینے والا ہے؟

"یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْش".

یعنی یہ وہ دن ہے جب لوگ مر کر کیڑے مکوڑوں کی طرح بکھر جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح فضا میں اڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کا تعارف کرایا ہے۔ اس کے جواب میں عرب کے شاعروں نے یہ کلام ترتیب دیا:

"الفیل ماالفیل ومادراک ماالفیل ذنبه قصیر وخرطومه طویل"
ہاتھی کیا ہاتھی؟ تم جانتے ہو کہ ہاتھی کیا ہوتا ہے؟ یہ وہ جانور ہے جس کی دم چھوٹی ہوتی ہے اور سونڈ لمبی ہوتی ہے۔

جب یہ کلام عرب کے لوگوں نے سنا تو وہ خود پکار اٹھے کہ اے بیوقوف لوگو! یہ تم نے ہاتھی کا تعارف کرایا ہے۔ تعارف اس کا ہوتا ہے جس کو لوگ جانتے نہیں۔ تمہارا یہ کلام قرآن کی سورۃ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

غرض عرب کے لوگوں نے ہی اس کلام کو اپنے ٹھوکروں سے اڑا دیا۔ غرض ان لوگوں نے قرآن کے مقابلے میں کلام کہنے کی کوشش کی مگر فرمان خداوندی کے مطابق کبھی کامیاب نہ ہوئے۔

محترم حاضرین کرام! یاد کیجیے جب مسلمانوں کی ایک جماعت نے مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کی تا کہ وہاں پہنچ کر اطمینان سے اللہ کی عبادت میں مصروف رہیں گے اور دین اسلام کی تبلیغ بھی کریں گے۔

ادھر مشرکین مکہ نے جناب عمر ابن عاص اور ایک اور مشرک کو حبشہ بھیجا۔ یہ لوگ تحفہ اور تحائف لے کر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے اور تحفہ و تحائف پیش کیا اور کہا: ملک عرب سے کچھ لوگ بھاگ کر یہاں آگئے ہیں۔ وہ ایک نئے مذہب کا اعلان کرتے ہیں اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ لہٰذا آپ انھیں گرفتار کر کے ہمارے حوالے کر دیجیے تا کہ ہم انھیں مکہ لے کر چلے جائیں۔

نجاشی بادشاہ جو عیسائی مذہب کا پیروکار تھا۔ انجیل اور توریت کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلایا اور ان سے حال پوچھا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر آگے بڑھے اور کہا: اے بادشاہ! پہلے ہم لوگ گمراہ تھے، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا ہمارا پیشہ تھا، شراب نوشی اور جوابازی ہمارا مشغلہ تھا، ظلم وستم کے پہاڑ توڑنا ہمارا طریقہ تھا۔ ہم سینکڑوں اور ہزاروں معبودان باطل کی عبادت کرتے تھے۔ طرح طرح کی بدکاریوں اور بداعمالیوں میں مبتلا تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہماری قوم میں سے ایک شخص کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ جس کے حسب ونسب، صدق و دیانت داری کو پہلے ہی سے ہم جانتے تھے۔ اس رسول نے ہم کو شرک اور بت پرستی سے روک دیا اور صرف اللہ وحدہ کی عبادت کا حکم دیا اور ہر قسم کے ظلم وستم اور تمام برائیوں سے ہم کو منع کیا۔ ہم اس رسول پر ایمان لائے، ہم نے شرک و بت پرستی چھوڑ دی، تمام برے کاموں سے ہم تائب ہو گئے، بس یہی ہمارا گناہ ہے۔ جس پر ہماری قوم بھی ہماری جان کی دشمن ہو گئی۔ ان لوگوں نے ہم پر اتنا ظلم وستم ڈھایا کہ ہم نے اپنے وطن کو خیر آباد کہہ کر آپ کی سلطنت کے زیر سایہ پر امن زندگی گزار رہے ہیں۔ اے بادشاہ! اب یہ لوگ ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم پھر اسی پرانی گمراہی میں لوٹ جائیں۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تقریر دل پذیر سے نجاشی بادشاہ بہت متاثر ہوا۔

عمرابن عاص نے جب یہ حال دیکھاتو اپنے ترکش کا آخری تیر بھی پھینک دیا اور کہا: اے بادشاہ! یہ مسلمان لوگ آپ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کچھ دوسرا ہی اعتقاد رکھتے ہیں جو آپ کے اعتقاد سے بالکل مختلف ہے۔

یہ سن کر نجاشی بادشاہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے ان کے بارے میں سوال کیا۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، کلام ربانی کی تاثیر سے نجاشی بادشاہ کا دل تڑپ اٹھا، اس پر رقت طاری ہوگئی اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوگیا۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کہ بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جو حضرت کنواری مریم کے شکم مبارک سے بغیر باپ خدا کی قدرت کا نشان بن کر پیدا ہوئے۔

نجاشی بادشاہ نے بڑے غور سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر سنی اور کہا: یقیناً انجیل اور قرآن دونوں ہی ایک آفتاب ہدایت کے نور ہیں اور یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے وہی رسول ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں دی ہے۔ اگر میں دستور کے مطابق تخت شاہی پر رہنے کا پابند نہ ہوتا تو میں خود مکہ جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں سیدھی کرتا اور ان کے قدم ناز کو دھوتا۔

محترم حاضرین کرام! غور فرمائیے کہ سورۂ مریم کی چند آیتوں نے نجاشی بادشاہ کے دل کو منور اور مجلی کر دیا اور ایمان کی دولت سے مالا مال فرما دیا۔

محترم حاضرین کرام! عرب کے لوگوں کا یہ دستور تھا کہ کوئی شاعر رات کی تاریکی میں خانۂ کعبہ کی دیوار پر ایک شعر لکھ کر چلا جاتا صبح ہوتی تو بڑے بڑے

شعرا خانۂ کعبہ کے پاس آ کر دیوار پر لکھے ہوئے شعر پر تنقید کرتے، پورے دن اس میں ترمیم وتبدیلی ہوتی رہتی، اس شعر پر تبصرہ ہوتا، اس کی کانٹ چھانٹ ہوتی، غرض ان کا یہ دلچسپ مشغلہ تھا۔

ایک دن، رات کی تاریکی میں ایک مسلمان نے خانۂ کعبہ کی دیوار پر لکھا:

"اِنَّآ أَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ، اِنَّ شَانِئَکَ هُوَالْاَبْتَرُ"

اور لکھ کر چلا گیا صبح نمودار ہوئی، مشرق سے سورج طلوع ہوا، شاعروں اور نقادوں کی آمد شروع ہوئی تنقید وتبصرہ کا بازار گرم ہوگیا۔

کسی نے کہا کہ اس کلام کو یوں لکھنا چاہیے:

"انا اعطیناک الجواهر، فصل لربک واهر".

کسی نے کہا: نہیں اس کو یوں کرنا چاہیے:

غرض پورے دن اس میں ترمیم وتنقید ہوتی رہی، کسی کی ترمیم پر اتفاق نہ ہوتا اس طرح سے پورا دن گزر گیا شام کے وقت سب نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ اس کو یوں لکھا جائے:

"اِنَّآ أَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ، اِنَّ شَانِئَکَ هُوَالْاَبْتَرُ"

اور آگے یہ اضافہ کردیا جائے "ان هذا قول البشر"

یعنی یہ کلام کسی بشر کا کلام نہیں، اگر کسی انسان کا کلام ہوتا تو ہمارے تنقید وتبصرے سے بچ کر نہ جاتا: ؎

حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

غرض یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ کا کلام وہ کلام ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔ عرب کے مشرکین نے جب یہ یقین کرلیا کہ ہم اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتے اس جیسا کلام نہیں بنا سکتے تو آؤ اس میں عیب تلاش کیا جائے کیوں کہ اگر اس کلام میں کوئی عیب کوئی خامی مل گئی تو یہ ثابت ہوجائے گا کہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔

چنانچہ مشرکین عرب کے بڑے بڑے شعرا اور بڑے بڑے ادبا سر جوڑ کر بیٹھے اور قرآن حکیم میں خامیاں تلاش کرنے لگے۔

چنانچہ اس تلاش وجستجو میں قرآن حکیم میں انہیں تین الفاظ ملے جوان کے خیال میں فصاحت وبلاغت کے معیار سے گرے ہوئے تھے۔ وہ تین الفاظ قرآن حکیم سے تلاش کیے گئے۔ ان میں سے ایک لفظ ''ھزوی'' ہے جس کے معنی مذاق کرنے کے ہیں۔ دوسرا لفظ ''کبّار'' ہے جس کے معنی بہت بوڑھے کے ہیں تیسرا لفظ ''عجاب'' ہے جس کے معنی تعجب کے ہیں۔

یہ تین لفظ تلاش کرکے بہت خوش ہوئے کہ اب ہم ثابت کردیں گے کہ یہ کلام اللہ کا کلام نہیں کہ ان میں تین الفاظ فصیح وبلیغ نہیں۔ قوت سماعت پر گراں گزرتے ہیں۔

چنانچہ یہ تینوں لفظ لے کر اکڑتے ہوئے بارگاہ مصطفیٰ میں حاضر ہوئے۔ کہنے لگے کہ: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ جو کلام پڑھ کر سناتے ہیں وہ اللہ کا کلام نہیں کیونکہ اگر اللہ کا کلام ہوتا تو فصاحت وبلاغت سے گرا ہوا لفظ اس میں نہ آتا۔ ہم کو اس کلام میں تین الفاظ ایسے ملے ہیں جو فصیح وبلیغ نہیں جو سننے میں اچھے نہیں لگتے۔

ہمارے آقا نے ارشاد فرمایا: وہ کون سے تین لفظ ہیں؟ جو فصیح وبلیغ نہیں۔

انھوں نے کہا: ایک لفظ ''ھُزوی'' ہے دوسرا ''کبّار'' ہے تیسرا ''عجاب'' ہے۔ یہ تینوں بڑے ہی ثقیل اور بڑے ہی بھدے ہیں۔ اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں یہ الفاظ نہ ہوتے۔

حضور نے ارشاد فرمایا: تم انہیں غیر فصیح کہتے ہو اور میں اسے فصیح وبلیغ کہتا ہوں۔ اب اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ تم اپنی بات میں حق پر ہو یا میں؟

انھوں نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ایک بہت بڑا شاعر بہت

بڑا ادیب، الفاظ ومعانی کا مزاج پہچاننے والا ایک شیخ اپنی زبان کی حفاظت کے لیے ایک پہاڑ کے غار میں چلا گیا ہے۔ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے ہم اسے آپ کے پاس لاتے ہیں۔

حضور نے ارشاد فرمایا: ٹھیک ہے اسے لاؤ وہی ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔

چنانچہ وہ لوگ اس پہاڑ کے غار میں جا کر اس بوڑھے ادیب کو جس کی آنکھوں کی بینائی بھی کمزور تھی چلنے پھرنے کی توانائی سے بھی معذور تھا، غرض کسی طرح اس بوڑھے آدمی کو سہارا دے کر بارگاہ مصطفیٰ میں لا کر کھڑا کر دیا۔

ان شاعروں نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ وہ زباں داں ہیں جس کی زبان دانی کو سارا عرب تسلیم کرتا ہے۔ یہی ہمارے اور آپ کے درمیان فیصلہ کریں گے۔

اس بوڑھے آدمی کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا اور ارشاد فرمایا: 'اجلس' بیٹھ جایئے۔ وہ بوڑھا آدمی دھیرے دھیرے زمین پر بیٹھ گیا اور جیسے ہی بیٹھا حضور نے ارشاد فرمایا: 'قم' کھڑے ہو جایئے۔ وہ بوڑھا آدمی کانپتے کانپتے کھڑا ہو گیا اور جیسے ہی کھڑا ہوا۔

حضور نے ارشاد فرمایا: 'اجلس' بیٹھ جایئے اور جب بیٹھا تو ارشاد فرمایا: قم کھڑے ہو جایئے۔

غرض میرے آقا نے اس کو جب دو تین بار اٹھایا بیٹھایا تو وہ غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور غیظ وغضب کے عالم میں پکار اٹھا: "أَتَتَّخِذُنِیْ هُزُوًى" کیا تم نے مجھ کو مذاق بنا لیا ہے "وانا شیخ کبار" حالانکہ میں اتنا بوڑھا ہو گیا ہوں "وھذا منک شیئی عجاب" اور آپ رسول ہو کر ایسا کر رہے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔

حضور نے ارشاد فرمایا: اے بزرگ! میں آپ سے مذاق نہیں کرتا اور میں

کیسے آپ سے مذاق کرسکتا ہوں جب کہ میں نے اپنے ماننے والوں کو حکم دے دیا ہے: "من لم یر حم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا فلیس منا"

یعنی جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بزرگوں کا احترام نہ کرے وہ ہماری جماعت کے لائق نہیں۔

اے بزرگ بات دراصل یہ ہے کہ وہ تین الفاظ جو ابھی آپ نے بولا ہے، یعنی "أتتخذنی هزوی" میں "هزوی" "واناشیخ کبار" میں "کبار" "وهذاشیئی منک عجاب" میں "عجاب".

یہ تین الفاظ وہ ہیں جو قرآن حکیم میں آئے ہیں۔ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ یہ تینوں الفاظ فصاحت وبلاغت کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ یہ الفاظ قوت سماع پر گراں گزرتے ہیں۔

وہ بوڑھا آدمی بول اٹھا یہ بیوقوف لوگ کیا جانیں کہ فصاحت وبلاغت کس پرندے کا نام ہے؟

سنو !اگر ان الفاظ کو قرآن سے نکال دیا جائے تو قرآن کی فصاحت وبلاغت رخصت ہو جائے۔

اس واقعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ قرآن کا ایک ایک لفظ اپنی جگہ فصاحت وبلاغت کی تنہا مثال ہے۔اور اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور کو اس بات کا علم تھا کہ اس بوڑھے شیخ کو جب میں تین بار اٹھاؤں گا بیٹھاؤں گا تو وہ انہیں الفاظ کو بولے گا۔

محترم حاضرین !ان واقعات سے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ قرآن اللہ کی وہ کتاب ہے جس نے ساری دنیا میں ایک انقلاب برپا کر کے باطل کو نیست ونابود کر دیا۔اور حق کو غلبہ عطا فرمایا۔یہی وجہ تھی کہ جب مشرکین عرب نے دیکھا کہ قرآن نے ہمارے باطل مذہب کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی تو اس کے خلاف

محاذ آرائی شروع کر دیا اور یہ بالا تفاق طے کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے۔ نہ وہ رہیں گے نہ قرآن سنائیں گے۔

چنانچہ اس مجلس میں جناب عمر ابن خطاب بھی تھے انھوں نے کہا: میں خود جاتا ہوں اور اپنی تلوار سے ان کا کام تمام کر دیتا ہوں۔

چنانچہ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے ننگی تلوار لے کر اس گھر کی طرف روانہ ہوئے جس گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے انتالیس ۳۹ ر جانثاروں کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔

کسی نے راستہ میں پوچھا: عمر کہاں جا رہے ہو؟

انھوں نے کہا: میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ انھوں نے ہمارے آدمیوں کو ان کے دین سے برگشتہ کر کے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے، لہٰذا میں انہیں قتل کر دوں گا۔

اس شخص نے کہا: اے عمر! پہلے اپنے گھر کی خبر لو تمہاری بہن اور تمہارے بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔

چنانچہ جناب عمر گھر پہنچے دیکھا تو دروازہ بند ہے اور اندر سے قرآن پڑھنے کی آواز آ رہی ہے۔ غیظ و غضب کے عالم میں دروازہ کھلوایا اور غصہ میں اپنی بہن اور بہنوئی کو مار مار کر لہولہان کر دیا۔

بہن نے کہا: اے بھائی عمر! تم ہماری جان بھی لے لو، ہماری گردنوں کو ہمارے جسم سے جدا کر دو پھر بھی ہم اس دین حق سے منہ نہیں موڑ سکتے۔

جب حضرت عمر نے ان کے ایمان کی پختگی اور جانثاری کو دیکھا تو کہا: وہ کلام مجھے بھی پڑھ کر سناؤ جو تم لوگ پڑھتے ہو۔

چنانچہ ان کے بہنوئی سعید ابن زید نے سورۂ طٰہٰ کی چند آیتیں پڑھیں جس کو سنتے ہی جناب عمر کے دل میں ایک انقلاب برپا ہوا اور ذہن و فکر کی دنیا بدل گئی

اور بارگاہ مصطفیٰ میں حاضر ہوکر دین اسلام میں داخل ہو گئے۔

غور فرمائیے کہ اس کتاب نے ظالم اور جابر دشمنوں کو بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیوانہ بنادیا۔قرآن حکیم کی لفظی خوبیاں بھی ہیں اور معنوی خوبیاں بھی۔ اس کے پڑھنے سے ایمان میں پختگی بھی آتی ہے اور اس کے پڑھنے سے ایک مسلمان اس کی برکتوں سے مالا مال بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے اور ہم لوگوں کی تعداد چالیس آدمیوں پر مشتمل تھی۔ ہم لوگوں کا گذر ایک دیہات سے ہوا۔شام کا وقت تھا ہم لوگوں نے اس گاؤں کے لوگوں سے کہا کہ ہمیں اس گاؤں میں رات گذارنے کی اجازت دے دو، اور ہمارے لیے کھانے پینے کا کچھ بندوبست کردو۔

دیہاتیوں نے کہا: ہم آپ لوگوں کو پہچانتے نہیں کہ کون لوگ ہو؟ اس لیے ہم آپ کو نہ یہاں ٹھہرنے کی اجازت دیں گے اور نہ کھانے پینے کا انتظام کریں گے۔اس لیے آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔

چنانچہ ہم لوگ حضور کے ساتھ وہاں سے چلے گئے دور ایک دریا کے کنارے پڑاوڈال دیا گیا اور وہیں قیام کیا گیا۔

فرماتے ہیں: ابھی رات کا کچھ حصہ گذرا تھا کہ اسی گاؤں کی طرف سے چند لوگ ہماری طرف دوڑتے ہوئے آئے اور کہنے لگے: اے لوگو! کیا تم میں کوئی جھاڑ پھونک جانتا ہے؟

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں: اس جماعت میں میں سب سے کم عمر تھا۔میں فوراً کھڑا ہوا۔ میں نے کہا: ہاں میں جانتا ہوں۔ بتاؤ کیا بات ہے؟

ان دیہاتیوں نے کہا: ہمارے گاؤں کے مکھیا کو سانپ نے کاٹ لیا ہے کیا کوئی تم میں اس کو ٹھیک کرسکتا ہے؟

حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا: میں ٹھیک کرسکتا ہوں۔

ان لوگوں نے کہا: چلو چل کر جھاڑ پھونک کے ذریعہ اس کا علاج کردو تمہاری بہت مہربانی ہوگی۔

حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا: میں اس شرط پر چلوں گا کہ اس کے بدلہ میں تم کو چالیس بکریاں دینی ہوں گی۔

وہ لوگ تیار ہوگئے ان کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری اس گاؤں میں گئے اور جھاڑ پھونک کے ذریعہ اسے ٹھیک کردیا اور چالیس بکریاں لے کر مسلمانوں کے پاس تشریف لائے۔ تمام مسلمان خوش ہوگئے اور کہا: چلو ایک ایک بکری سب لوگ ذبح کریں۔

حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا: خبردار کوئی بھی ان بکریوں کو ہاتھ نہ لگائے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہیں تشریف لے گئے ہیں جب وہ واپس آئیں گے ان سے مسئلہ پوچھا جائے گا کہ اس طرح کے مال کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے حضرت ابوسعید خدری نے حضور سے یہ مسئلہ پوچھا کہ میں نے دیہاتیوں کے مکھیا کو اپنے جھاڑ پھونک سے اچھا کردیا اور بدلہ میں یہ چالیس بکریاں لے کر آیا ہوں۔ کیا یہ بکریاں ہمارے لیے جائز ہیں یا نہیں؟

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بالکل جائز ہیں۔ انہیں ذبح کرو اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوسعید خدری! تم نے کون سی دعا پڑھی تھی کہ وہ اچھا ہوگیا؟

حضرت ابوسعید خدری نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ ہی نے تو ارشاد فرمایا تھا کہ سورۂ فاتحہ کو سورۂ شفا بھی کہتے ہیں۔ اس سورۃ کو پڑھ کر دم کرنے سے مریضوں کو

شفا ہوتی ہے۔لہٰذا میں نے سورہ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کر دیا اور وہ ٹھیک ہو گیا۔

محترم حاضرین کرام! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ قرآن اپنے اندر کتنی خوبیاں رکھتا ہے۔اس کے پڑھنے سے لوگوں کی حاجت روائی بھی ہوتی ہے۔مریضوں کو شفا بھی ملتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار کسی جنگ سے بہت مال غنیمت حاصل ہوا اور وہ مال غنیمت مسجد نبوی کے صحن میں ڈھیر کر دیا گیا، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے ابو ہریرہ آج کی رات اس مال غنیمت کی تم حفاظت کرو گے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں: اس رات میں نے جاگ کر مال غنیمت کی حفاظت کی اور اس کے لیے میں جاگتا رہا اور نماز پڑھتا رہا کہ اچانک رات کے پچھلے پہر میں نے دیکھا کہ ایک شخص مسجد نبوی کے دروازے سے داخل ہوا چوروں کی طرح چھپتے ہوئے مال غنیمت کی طرف بڑھنے لگا۔میں ہوشیار ہو گیا اور اس کی حرکات وسکنات کا جائزہ لینے لگا، میں نے دیکھا کہ وہ چھپتے ہوئے مال غنیمت کی طرف آیا اور جلدی جلدی اس مال غنیمت سے اپنے دامن کو بھرنے لگا۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کو پکڑا اور میں نے کہا کمبخت یہ مسلمانوں کا مال ہے اور اس کی حفاظت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے ذمہ کی ہے اور تو اس میں سے چوری کر رہا ہے۔چل میں تجھے کھمبے سے باندھ دیتا ہوں۔نماز فجر کے بعد حضور کے سامنے تجھے پیش کروں گا۔

وہ چور رونے اور گڑگڑانے لگا۔کہنے لگا: اے ابو ہریرہ! مجھے معاف کر دو۔ اصل میں میرے بچے کئی دن کے بھوکے ہیں اور کئی دن کا فاقہ ہے۔آج میں تم سے وعدہ کرتا ہوں مجھے چھوڑ دو آئندہ سے میں یہ حرکت نہیں کروں گا۔حضرت ابو ہریرہ کو اس کے رونے اور گڑگڑانے سے رحم آ گیا اور اسے چھوڑ دیا۔

صبح ہوئی حضور تشریف لائے، نماز فجر ادا کی گئی، پھر اس کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرہ! تمہارا رات کا چور کہاں گیا؟

حضرت ابو ہریرہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ رونے اور گڑ گڑانے لگا۔ بچوں کی بھوک اور پیاس کا ذکر کرنے لگا اور اس نے وعدہ کیا کہ اب میں نہیں آؤں گا۔ اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔

حضور نے ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرہ! وہ بہت جھوٹا ہے۔ وہ آج پھر آئے گا۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں: جب حضور نے کہہ دیا تو مجھے پختہ یقین ہو گیا کہ وہ ضرور آئے گا۔ لہٰذا میں اور مستعد ہو کر مال غنیمت کی نگرانی کرنے لگا۔ لہٰذا میں اس چور کی تاک میں رہا۔ رات کا جب پچھلا پہر ہوا تو میں نے دیکھا وہ آدمی چوروں کی طرح چھپتا ہوا مال غنیمت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ چور مال غنیمت کے پاس پہنچ کر اپنے دامن میں اس میں سے بھرنے لگا۔ میں نے لپک کر اس کو پکڑا۔

میں نے کہا: کم بخت تو نے کل وعدہ کیا تھا کہ اب میں نہیں آؤں گا اور پھر آ گیا اب میں تجھے نہ چھوڑوں گا۔ صبح کو حضور کے سامنے پیش کر کے تجھے سزا دلوا کے رہوں گا۔ چور گڑ گڑانے لگا۔ کہنے لگا: اے ابو ہریرہ! ایک بار اور معاف کر دو۔ میں اپنے بچوں کی وجہ سے چوری کے لیے آیا تھا۔ اب میں پکا وعدہ کرتا ہوں اب میں نہ آؤں گا۔

حضرت ابو ہریرہ کو رحم آ گیا اور انھوں نے اس چور کو چھوڑ دیا۔ صبح صادق ہوئی حضور تشریف لائے نماز فجر ادا کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرہ! تمہارا رات کا چور کہاں گیا؟

حضرت ابو ہریرہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ اپنے بچوں کا واسطہ دینے لگا اور رونے لگا اور اب پکا وعدہ کیا ہے کہ اب میں نہیں آؤں گا۔ لہٰذا میں نے اس کے وعدے پر اعتماد کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔

حضور نے ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرہ! وہ بہت جھوٹا ہے۔ وہ آج پھر آئے گا۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں: اب مجھے حضور کے فرمان کے مطابق پورا یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا۔ لہٰذا میں اور مستعد ہو کر مال غنیمت کی نگرانی کرنے لگا اور اس کا انتظار کرتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ رات کا پچھلا پہر ہوتے ہی وہ پھر چوروں کی طرح مسجد میں داخل ہوا اور مال غنیمت سے اپنا دامن بھرنے لگا۔ میں نے دوڑ کر اسے پکڑا اور کہا: اب میں تجھے نہ چھوڑوں گا۔ میں تجھے حضور کے سامنے پیش کر کے سزا دلوا کے رہوں گا۔

چور نے کہا: اے ابو ہریرہ! اگر آج تم مجھ کو چھوڑ دو تو میں تم کو ایک ایسی دعا بتاؤں گا کہ اگر تم اس کو پڑھ لو تو رات بھر جاگ کر کسی مال کی نگرانی کی ضرورت نہ ہوگی اور تمہارا مال چوروں سے محفوظ ہو جائے گا۔

چوں کہ حضرت ابو ہریرہ دعاؤں اور وظیفوں کے حریص تھے۔ اس لیے فرمایا: ٹھیک ہے۔ تو دعا بتا۔ میں تجھے چھوڑ دوں گا۔

اس چور نے کہا: جب کسی چیز کی حفاظت کرنی ہو تو آیت الکرسی پڑھ کر اس مال پر پھونک دو گے تو خود بخود اس مال کی حفاظت ہوتی رہے گی اور تمھیں جاگ کر اس کی نگرانی کی ضرورت نہ ہوگی۔

اتنا سنتے ہی حضرت ابو ہریرہ نے اس کو چھوڑ دیا، صبح ہوئی حضور تشریف لائے نماز صبح ادا کی گئی تو حضور نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! تمہارا وہ رات کا چور کہاں گیا؟

حضرت ابو ہریرہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اس کو اس شرط پر چھوڑ دیا کہ اس نے مجھے مالوں کی حفاظت کے لیے آیت الکرسی کا ورد بتا دیا۔

حضور نے ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرہ! وہ بہت جھوٹا ہے لیکن اس بات میں وہ سچا ہے، جانتے ہو وہ چور کون تھا؟ وہ شیطان تھا۔

معلوم یہ ہوا کہ قرآن کی حقانیت اور اس کے فوائد کا شیطان بھی قائل ہے۔

آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مسلموں کی ایک جماعت اپنے مریضوں کی شفایابی کے لیے مسجدوں کے دروازے پر کھڑی رہتی ہے اور نمازی مسجد سے نکل کر ان کے مریضوں پر دم کرتا چلا جاتا ہے اور وہ شفایاب بھی ہو جاتے ہیں۔

سارے حکیم اور ڈاکٹر اس بات پر متفق ہیں کہ آدمی کے منہ سے جو سانس خارج ہوتی ہے وہ نقصاندہ ہوتی ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی برتن میں پھونکنے سے منع فرمایا، لیکن وہی سانس جو زہر آلود ہے نقصاندہ ہے قرآن کی ایک آیت پڑھ لینے سے اس سانس کی ماہیت بدل جاتی ہے، وہ سانس لوگوں کو مریض نہیں بلکہ مریضوں کو شفایاب کرتی ہے۔

محترم حاضرین کرام! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب مشرکین مکہ کے ظلم سے تنگ آگئے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ لوگ مجھے اطمینان وسکون کے ساتھ عبادت نہیں کرنے دیتے تو انھوں نے بھی مکہ سے ہجرت کرلی۔ ابھی مکہ سے باہر نکلے ہی تھے کہ مالک ابن دغنہ سے ملاقات ہوئی۔ ابن دغنہ نے پوچھا: اے ابو بکر کہاں جارہے ہو؟

حضرت ابو بکر صدیق نے ارشاد فرمایا: مکہ کے لوگ میری عبادتوں میں رخنہ ڈال رہے ہیں اور طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں۔ مشرکین مکہ کی حرکتوں نے مجھے مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اب میں مکہ سے باہر کہیں چلا جاؤں گا۔ اطمینان وسکون کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مصروف رہوں گا۔

ابن دغنہ نے کہا: اے ابو بکر! تمہارے جیسے آدمی کو مکہ سے نہیں نکالا جاسکتا۔ تم غریبوں، بے کسوں کی خبر گیری کرتے ہو۔ یتیموں، بیواؤں کی دیکھ بھال کرتے ہو۔ باہر سے آنے والے مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہو۔ تم جیسا عظیم انسان مکہ سے نہیں نکالا جاسکتا۔ چلو میں تمہیں پناہ دیتا ہوں۔ کسی کی مجال نہیں جو تمہاری طرف غلط نگاہ سے دیکھ سکے۔

چنانچہ ابن دغنہ حضرت صدیق اکبر کو واپس لے کر مکہ آیا اور تمام رئیسان مکہ سے کہا کہ دیکھو میں نے ابوبکر کو پناہ دی ہے۔ اب انھیں کوئی تنگ نہ کرے۔
مشرکین نے کہا: ہم تمہاری پناہ کی تائید اس شرط پر کرتے ہیں کہ ابوبکر اپنے گھر کے اندر عبادت کریں، قرآن کی تلاوت کریں ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔
حضرت صدیق اکبر نے چند دن گھر میں عبادت وریاضت کی، اس کے بعد گھر کے باہر صحن میں ایک مسجد بنالی اور اسی میں نماز پڑھتے اور بلند آواز سے قرآن حکیم کی تلاوت کرتے۔ کلام الٰہی کی خشیت سے آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے، محلے کی عورتیں نکل آتیں، بچوں کا ہجوم لگ جاتا اور ان کی قرآن کی تلاوت سنتے اور متاثر ہوتے۔
جب مشرکین مکہ نے یہ دیکھا تو انھوں نے ابن دغنہ سے کہا: کہ اے ابن دغنہ اب ہم تمہاری پناہ کا کچھ لحاظ نہ کریں گے۔ ابن دغنہ حضرت صدیق اکبر کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابوبکر میں اپنی امان واپس لیتا ہوں۔
حضرت صدیق اکبر نے فرمایا: مجھے تمہارے امان کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے اللہ کی امان میں ہوں، وہی میرے لیے کافی ہے۔
غرض مشرکین مکہ کا یہی نصب العین تھا کہ قرآن کی ایک آیت بھی لوگوں کے کان میں نہ پڑنے پائے، ورنہ پھر انھیں دامن اسلام میں جانے سے کوئی روک نہ سکے گا۔
ایک بار ریاست دادوں کے مدرسہ حفیظیہ میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ درس دینے میں مصروف تھے کہ اتنے میں مدرسے کے سامنے سے ایک بھیڑ گزری جس میں عورتیں بھی تھیں، مرد بھی تھے، بچے بھی تھے ایک میت کو اٹھائے عورتیں اور مرد روتے ہوئے جارہے تھے۔
لوگوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ کیوں رو رہے ہو؟
ان لوگوں نے بتایا: کہ اس آدمی کو سانپ نے کاٹ لیا تھا جھاڑ پھونک

کے لیے لے گئے مگر وہ مر گیا۔

ان لوگوں نے کہا: اس مدرسے میں ایک مولانا صاحب ہیں، انھیں بھی دکھادو۔ لوگ حضرت صدر الشریعہ کو اس کے پاس لے گئے، حضرت صدر الشریعہ نے کچھ پڑھ کر پھونکا دعا کی سانپ کا کاٹا ہوا آدمی صحت یاب ہو گیا۔ لوگ خوشی خوشی اس کو لے کر گھر واپس ہو گئے۔

شاگردوں نے حضرت صدر الشریعہ سے پوچھا: حضور آپ نے کون سی دعا پڑھی؟

انھوں نے فرمایا: میں نے سنا تھا کہ اگر سورۂ ناس کو الٹا پڑھ کر پھونک دیا جائے تو سانپ کا کاٹا ہوا اچھا ہو جاتا ہے۔ تو میں نے سوچا کہ جب الٹا پڑھنے میں اتنا اثر ہے تو سیدھا پڑھنے میں کتنا اثر ہوگا۔ لہٰذا میں نے "قل اعوذ برب الناس" پڑھ کر پھونک دیا تو اچھا ہو گیا۔

یہ قرآن حکیم کی اثر آفرینی ہے کہ بڑی بڑی مشکلیں اس کے پڑھنے سے کافور ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن حکیم کی تلاوت قیامت کے دن عذاب سے بچانے والی ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو لوگ اپنی اولاد کو قرآن کا حافظ بناتے ہیں۔ رب تبارک وتعالیٰ ان حافظوں کے والدین کو قیامت کے دن ایک ایسا تاج پہنائے گا جسے دیکھ کر لوگ رشک کریں گے۔

غرض قرآن لوگوں کی دنیا بھی سنوارتا ہے اور آخرت بھی سنوارتا ہے۔

رب تبارک وتعالیٰ ہم سب لوگوں کو قرآن پڑھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

☆☆☆☆☆

مالک کوثر

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ
الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی وَعَلٰی آلِکَ وَاَصۡحَابِکَ اَجۡمَعِیۡنَ
دَائِماً اَبَداً. اَمَّا بَعۡدُ!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡم
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمۡ
”اِنَّا اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرۡ“

صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِیۡمُ وَصَدَقَ رَسُوۡلُهُ النَّبِیُّ
الۡاَمِیۡنُ الۡمَکِیۡنُ الۡکَرِیۡمُ وَنَحۡنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ
الشَّاهِدِیۡنَ وَالشَّاکِرِیۡنَ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ.

انتہائی عقیدت ومحبت کے ساتھ درود شریف پڑھیں:
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکۡ وَسَلِّمۡ .....

سرور کہوں کہ مالک ومولیٰ کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے
حرماں نصیب ہوں تجھے امید گہ کہوں
جان مراد کان تمنا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کردیا
خالق کا بندہ خلق کا مولیٰ کہوں تجھے

محترم حاضرین کرام ورفیقان گرامی! میں نے قرآن حکیم کی ایک بہت ہی مشہور ومعروف آیت کریمہ ”اِنَّا اَعۡطَیۡنَاکَ الۡکَوۡثَرۡ“ کی تلاوت کا شرف

حاصل کیا ہے۔اس آیت کریمہ کا سیدھی سادی اردو میں ترجمہ یہ ہے:

اے پیارے رسول ہم نے آپ کو بہت عطا فرمایا ہے۔

چونکہ یہاں پر "کوثر" کثیر کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔اسی لیے مفسرین کرام نے "کوثر" کی تشریح 'خیر کثیر' سے بھی کی ہے۔اسی لیے میں نے اس آیت کریمہ کا اردو ترجمہ 'بہت' کے معنی میں کیا ہے۔

یعنی اے پیارے رسول ہم نے آپ کو بہت عطا کیا ہے۔

محترم حاضرین کرام! دینے اور عطا کرنے کا ایک انداز ہوا کرتا ہے۔وہ یہ ہے کہ دینے والا جب دیتا ہے تو وہ اپنی حیثیت کو بھی مدنظر رکھتا ہے اور جسے دے رہا ہے اس کی حیثیت کو بھی مدنظر رکھتا ہے۔وہ معاشرے میں کیا حیثیت رکھتا ہے اور اس کا مقام کیا ہے۔اسی لیے 'بہت' کا معنی لینے اور دینے والوں کی حیثیت سے مختلف ہو جایا کرتا ہے۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی غریب آدمی جو نان شبینہ کا بھی محتاج ہے۔تنگ دستی میں جس کے لیل ونہار بسر ہو رہے ہیں۔ایسا مفلوک الحال آدمی اگر کسی مسجد اور مدرسے میں پانچ روپیہ چندہ دے دے تو اس کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے۔وہ ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرے کہ میں نے بہت دے دیا ہے۔کیونکہ اس کی مالی حیثیت کے لحاظ سے وہ پانچ روپیہ ہی بہت ہے۔

لیکن اگر کوئی کروڑ پتی، ارب پتی ہو، سرمایہ دار ہو۔جو بڑی بڑی فیکٹریوں کا مالک ہو۔کروڑوں اور اربوں روپیہ کا بینک بیلنس رکھتا ہو۔سیکڑوں مزدور اور لیبر اس کے کارخانے میں کام کر رہے ہوں۔ایسا آدمی اگر کسی مسجد اور مدرسے میں پانچ روپیہ چندہ دے کر یہ کہے کہ میں نے بہت دے دیا ہے۔تو اس کی اس بات پر ساری دنیا اس کے منہ پر تھوک دے گی اور پکار اٹھے گی: کہ تو اپنے وقت کا کنجوس ہی نہیں، بلکہ مکھی چوس بھی ہے۔کیونکہ وہ اربوں کا بینک بیلنس رکھتا ہے اور بڑے

بڑے کارخانوں کا مالک ہے۔ اس لیے پانچ روپیہ دینے سے اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کہے کہ میں نے بہت دے دیا۔

اس سے معلوم یہ ہوا کہ عطا کرنے والے اور دینے والے کی حیثیت کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ اور انہیں کے حساب سے لفظ ''بہت'' کا استعمال کیا جاتا ہے۔

اسی طرح جس کو دیا جاتا ہے۔ اس کی حیثیت کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے۔ کہ وہ سماج میں اور معاشرے میں کیا مقام رکھتا ہے۔

مثلاً: اگر آپ کے دروازے پر ایک معمولی فقیر آجائے تو آپ اسے ایک دو روپیہ دے کر اپنے لیے یہ حق محفوظ کر لیتے ہیں کہ آپ اس سے کہہ دیں کہ جاؤ بابا ہم نے تمہیں بہت دے دیا۔ کیونکہ مانگنے والے کی حیثیت کے حساب سے یہ ایک دو روپیہ ہی بہت ہے۔

لیکن اس فقیر کے بجائے آپ کا پیر آجائے یا کوئی ذی حیثیت انسان آپ سے کچھ رقم کا مطالبہ کرے تو آپ اسے ایک دو روپیہ دے کر یہ کہنے کا حق نہیں رکھتے کہ حضرت ہم نے آپ کو بہت دے دیا۔ کیونکہ لینے والا جس حیثیت کا مالک ہے اسے دو چار روپیہ دینا اس کی حیثیت عرفی کا مذاق اڑانا ہے۔

چنانچہ ایک بار ہفت اقلیم کا شہنشاہ جسے دنیا فاتح اعظم کے نام سے جانتی ہے۔ جس کی حکمرانی آدھی دنیا پر تھی۔ جس کی حکومت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا۔ جس کا نام سکندر اعظم ہے۔

اسی شہنشاہ ہفت اقلیم کے دربار میں ایک فقیر سائل بن کر حاضر ہوا اور کہا: حضور عالم پناہ! مجھے ایک روپیہ عنایت فرمایا جائے۔

سکندر اعظم نے کہا: اے بیوقوف! تجھے معلوم نہیں کہ ہم اپنے وقت کے شہنشاہ معظم ہیں۔ ہماری حکمرانی میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ ہم اپنے مانگنے والوں کا دامن گوہر مراد سے بھر دیتے ہیں۔ تجھے معلوم نہیں کہ ہم شاعروں کو ایک

ایک شعر پر ان کا منہ موتیوں اور ہیرے جواہرات سے بھر دیتے ہیں۔ مانگنے والوں کو ہم بڑی بڑی جاگیریں عطا کر دیتے ہیں۔ تم نے ہم سے ایک روپیہ کا سوال کر کے ہماری شہنشاہیت کا مذاق اڑایا ہے۔ تمہیں مانگنے کا شعور نہیں۔ تمہیں معلوم نہیں کہ ہم اپنے وقت کے شہنشاہ ہیں۔ اور پھر تم نے ایک روپیہ کا سوال کر کے ہمارے عزت و وقار پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔

فقیر نے کہا: حضور! مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی۔ میں نے آپ کی حیثیت کا لحاظ نہیں کیا۔ آپ کے جود و سخا کا میں نے صحیح اندازہ نہیں لگایا۔ اس لیے میری تقصیر معاف کیا جائے اور مجھے ایک بار اور مانگنے کا موقع دیا جائے۔

بادشاہ نے کہا: ٹھیک ہے۔ ہماری حیثیت کے لحاظ سے سوال کرو۔ عطا کیا جائے گا۔

فقیر نے کہا: عالی جاہ شہنشاہ اعظم! میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ مجھے اس ملک کا بادشاہ بنا دیا جائے۔ اس تخت پر مجھے بیٹھنے کی اجازت دی جائے اور اس تاج کا مجھے مالک بنا دیا جائے۔ میں آپ سے آپ کی حکومت کا خواستگار ہوں۔

اتنا سننا تھا کہ سکندر اعظم نے پورے جاہ و جلال کے ساتھ اس فقیر سے کہا: اے بیوقوف! تجھے مانگنے کا شعور نہیں آتا۔ تو واقعی خاندانی فقیر ہے۔ عقل و دانش سے بیگانہ ہے۔ اے فقیر سن لے! پہلی بار جب تو نے سوال کیا تھا، تو تو نے ہماری حیثیت کا لحاظ نہیں کیا۔ اور دوسری بار جب تو نے سوال کیا تو اپنی حیثیت کا خیال نہ کیا۔ تیرا پہلا سوال بھی غلط تھا اور دوسرا سوال بھی غلط ہے۔ پہلی بار ایک روپیہ کا سوال کر کے ہماری حیثیت کا مذاق بنایا اور دوسری بار سوال کر کے اپنے کو ہنسی اور مذاق کا نشانہ بنایا، کیونکہ تو اس قابل نہیں ہے کہ تجھے بادشاہی عطا کیا جائے۔

اس واقعہ سے پتا چلا کہ دینے والا جب دیتا ہے تو اپنی حیثیت کو بھی مد نظر رکھتا ہے اور جس کو دیتا ہے اس کی حیثیت کو بھی مد نظر رکھتا ہے۔

محترم حاضرین کرام! اس لمبی چوڑی تمہید کے بعد آیئے اس آیت کریمہ کے انداز پر غور وفکر کیا جائے۔ رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرْ"

اے پیارے رسول ہم نے آپ کو بہت عطا فرمایا ہے۔

غور فرمایئے!

دینے والا رب اللعالمین ہے۔

لینے والا رحمۃ للعالمین ہے۔

دینے والا خالق کائنات ہے۔

لینے والا مالک کائنات ہے۔

دینے والا وہ ہے جس نے سارے عالم کو وجود بخشا۔

لینے والا وہ ہے جس کی وجہ سے سارا عالم وجود میں آیا۔

وہ فرماتا ہے: اے پیارے رسول ہم نے آپ کو بہت دیا۔ اب اس 'بہت' کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ یہ 'بہت' کسی کروڑ پتی کی 'بہت' نہیں۔ کسی ارب پتی کی 'بہت' نہیں کہ ہم اس 'بہت' کا اندازہ لگائیں۔ یہ 'بہت' اللہ تعالیٰ کی بہت ہے جس کا کوئی اندازہ نہیں۔

ہم نے دیکھا کہ اللہ کے حبیب نے انگلیوں کا اشارہ کیا تو چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ تو ہم نے جان لیا کہ اللہ نے حضور کو چاند بھی عطا فرمایا ہے۔

ڈوبے ہوئے سورج کی طرف اشارہ فرمایا تو ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ نے اپنے پیارے حبیب کو سورج کا بھی مالک بنایا ہے۔

تشنہ لبوں کی پیاس بجھانے کے لیے اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے ابال دیئے۔ ہم نے جان لیا کہ اللہ نے اپنے پیارے حبیب کو پانی کی ملکیت بھی عطا فرمادی۔

یہ تو وہ باتیں ہیں جسے ہم حدیث اور دیگر کتابوں میں پڑھتے اور دیکھتے

ہیں۔اور اللہ نے اپنے پیارے حبیب کو کیا کیا عطا فرمایا اس کا کوئی اندازہ نہیں۔
اسی لیے امام اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

اللہ نے حضور کو ساری کائنات کی ملکیت عطا فرمادی ہے۔اسی لیے تو ارشاد فرمایا:"یَاعَائِشَةُ لَوْشِئْتُ لَسَارَتْ مَعِیْ جِبَالُ الذهبِ"
اے عائشہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلتے نظر آئیں۔
اس حدیث کریمہ سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو اس بات کی آگاہی دے رہا ہے کہ اے میرے بندو! جب تمہیں کوئی ضرورت ہو تو میرے محبوب کی بارگاہ میں آجاؤ۔ وہاں تمہاری ضرورتیں پوری کردی جائیں گی۔ کیوں کہ میں نے اپنے محبوب کو بہت عطا کردیا ہے۔ وہ قیامت تک بانٹتا رہے گا مگر نعمتوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔اسی لیے صحابۂ کرام جب کوئی معاملہ درپیش آتا یا کوئی ضرورت ہوتی تو وہ بارگاہ مصطفیٰ میں آکر طلب کرتے اور ہمارے آقا و مولیٰ لوگوں کی ضرورتیں پوری فرمادیتے۔
چنانچہ ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھوک کی شدت سے حیران و پریشان تھے۔ تین دن کے فاقوں سے نحیف و نزار، مگر سوال کریں تو کس سے؟ غیرت وحمیت سوال کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔
چنانچہ یہ سوچ کر ایک راستہ میں کھڑے ہو گئے کہ کوئی مسلمان ادھر سے گزرے گا تو میرا چہرہ دیکھ کر میری بھوک و پیاس کا اندازہ لگا لے گا اور میرے لیے کھانے پینے کا کچھ نہ کچھ انتظام کردے گا۔
چنانچہ یہی سوچ کر وہ راستہ میں کھڑے ہیں کہ اچانک حضرت عمر فاروق کو دور سے آتے ہوئے دیکھا۔ چنانچہ ان کی طبیعت خوش ہوگئی کہ عمر فاروق کی نگاہ

عنایت میری طرف اٹھیں گی اور میرا چہرہ دیکھ کر میری بھوک و پیاس کا انھیں اندازہ ہو جائے گا۔

حضرت عمر فاروق سر جھکائے ہوئے، نگاہیں نیچی رکھے ہوئے، خیال یار میں ڈوبے ہوئے، بارگاہ مصطفیٰ کی طرف رواں دواں ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کے سامنے سے گزرے لیکن تصور یار نے نظر اٹھانے کی مہلت نہ دی۔ حضرت ابو ہریرہ نے جب دیکھا کہ وہ آگے بڑھ گئے تو انھوں نے آواز دی کہ اے عمر! ذرا قرآن کی یہ آیت تو بتا دینا۔

حضرت ابو ہریرہ کو وہ آیت معلوم تھی لیکن اس خیال سے انھوں نے یہ پوچھا کہ آیت بتاتے وقت ان کی نگاہ میرے چہرے پر پڑ جائے۔ لیکن حضرت عمر خیال رسول میں ڈوبے ہوئے، نظریں نیچے کیے ہوئے، آیت بتائی اور آگے بڑھ گئے۔

حضرت ابو ہریرہ نے سوچا کہ اب میں کیا کروں۔ انھوں نے تو مجھے دیکھا بھی نہیں، کہ اتنے میں حضرت صدیق اکبر پر نظر پڑی کہ وہ بارگاہ مصطفیٰ کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ نے سوچا کہ حضرت صدیق اکبر ضرور مجھے دیکھ کر خیریت پوچھیں گے اور میری بھوک کا اندازہ لگا کر کچھ کھانے پینے کا انتظام کر دیں گے۔ لیکن وہ بھی خیال یار میں ڈوبے ہوئے نظر جھکائے ہوئے ابو ہریرہ کے سامنے سے گزر گئے۔ حضرت ابو ہریرہ نے ان کو بھی مخاطب کیا اور قرآن کی آیت پوچھی کہ شاید نظر اٹھا کر مجھے دیکھ لیں۔ لیکن صدیق اکبر نے بھی نظریں جھکائے جھکائے آیت بتائی اور آگے بڑھ گئے۔

اب حضرت ابو ہریرہ ناامیدی کی حالت میں اور مایوسیوں کے ہجوم میں بھوک سے بے حال ہو کر کھڑے ہیں۔ اچانک نظر اٹھی تو دیکھا کہ رحمۃ للعالمین، غریبوں اور بے کسوں کے ملجا و ماویٰ، بھوکوں کو کھلانے والے، بے سہاروں کو سہارا دینے والے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی دل کی

کلیاں کھل گئیں، ہونٹوں پہ تبسم کی بجلیاں کوندنے لگیں۔

دل نے آواز دی: اے ابوہریرہ! وہ آرہے ہیں جن سے مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔

وہ آرہے ہیں جن کا فرمان ہے: "اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِیْ" یعنی میں ہی تقسیم کرتا ہوں، میں ہی بانٹتا ہوں اور اللہ مجھے عطا کرتا ہے۔

چنانچہ جیسے ہی محبوب کائنات جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوہریرہ کے پاس آئے۔ حضرت ابوہریرہ تڑپ گئے، مچل گئے۔

حضرت ابوہریرہ عرض کرتے ہیں: یارسول اللہ! بھوک سے حال تباہ ہے، تین دن کا فاقہ ہے۔ پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے ہیں لہٰذا حضور میرے لیے کچھ انتظام کیا جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوہریرہ! ہم بھی کئی دن کے فاقہ سے ہیں۔ ہمارے شکم پر بھی دو، دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ لیکن آؤ تمہاری بھوک کا علاج ہم کریں گے۔ فاقہ کشوں کی چارہ گری کرنا ہمارا کام ہے۔

حضرت ابوہریرہ کو لے کر خانۂ اقدس پر تشریف لائے اور حضرت ابوہریرہ کو باہر بیٹھایا خود گھر میں تشریف لے گئے اور ایک دودھ سے بھرا ہوا پیالہ لے کر باہر تشریف لائے۔

حضرت ابوہریرہ نے سوچا ایک پیالہ دودھ سے بھوک تو نہ مٹے گی لیکن پھر بھی تسکین کا سامان تو فراہم ہو ہی جائے گا۔ ابھی یہ دودھ پینے کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ حضور نے دودھ کا پیالہ زمین پر رکھا اور ارشاد فرمایا: اے ابوہریرہ! جاؤ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔

حضرت ابوہریرہ نے سوچا یا اللہ! ایک پیالہ دودھ ہے اور ستر کی تعداد میں اصحاب صفہ ہیں۔ لوگوں کو ایک ایک گھونٹ بھی میسر نہ آئے گا۔ لیکن آقا کا حکم ہے حکم کی تعمیل سے مفر نہیں۔

چنانچہ گئے اور اصحاب صفہ کو بلا لائے تمام لوگ دائرے کی شکل میں دودھ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ اب حضرت ابو ہریرہ اس ڈر سے کہ کہیں حضور مجھ کو حکم نہ دے دیں کہ لوگوں کو دودھ پلاؤ۔ اس لیے لوگوں کے پیچھے چھپ رہے ہیں کہ کہیں حضور کی نگاہ مجھ پر نہ پڑ جائے۔ اور مجھے دودھ پلانے کا حکم دے دیں کیوں کہ حضور کا حکم ہے "ساقِیُ القومِ آخرُھم" یعنی پلانے والے کا نمبر آخر میں آئے گا۔ مگر ابو ہریرہ لاکھ چھپنے کی کوشش کریں۔ حضور کی نگاہ نبوت سے کون سی چیز چھپ سکتی ہے؟

اسی لیے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود

چنانچہ حضور نے ابو ہریرہ کو حکم دیا: اے ابو ہریرہ! بسم اللہ کر کے داہنی طرف سے پلانا شروع کردو۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ نے داہنی طرف سے پلانا شروع کیا۔ ہر فرد دودھ پیتا جارہا ہے اور شکم سیر ہوتا جارہا ہے۔ اور پیالہ میں جو دودھ کی مقدار ہے وہ اپنی جگہ برقرار ہے۔ جب ستر آدمیوں نے دودھ پی لیا اور پیالہ دودھ سے بھرا کا بھرا رہ گیا تو حضور نے ارشاد فرمایا:

اے ابو ہریرہ! اب تم پیو۔ چنانچہ ابو ہریرہ نے پیٹ بھر دودھ پیا۔ اور پیالہ زمین پر رکھ دیا۔ پیالہ میں اب بھی دودھ کی مقدار باقی ہے۔

حضور نے ارشاد فرمایا: اور پیو۔ حضرت ابو ہریرہ نے پھر پینا شروع کیا اور زمین پر پیالہ رکھ دیا۔

پھر ارشاد ہوا: اور پیو تو حضرت ابو ہریرہ نے دودھ کا پیالہ منہ سے پھر لگایا۔ اور پی کر زمین پر رکھ دیا۔

حضور نے فرمایا: اور پیو۔ حضرت ابو ہریرہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اب

پیٹ میں بالکل گنجائش نہیں۔

چنانچہ حضور نے دودھ سے بھرا ہوا پیالہ اپنے لب ہائے مبارک سے لگایا اور سارا دودھ ختم ہوگیا۔

جب یہ واقعہ حدیث کی کتابوں میں امام اعلیٰ حضرت کی نگاہوں سے گزرا تو بے اختیار پکار اٹھے:۔

کیوں جناب بو ہریرہ کیسا تھا وہ جام شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منھ پھر گیا

"اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرْ" اے میرے بندوں میں نے اپنے پیارے رسول کو بہت عطا کیا ہے۔ تم قیامت تک مانگتے رہو گے اور وہ قیامت تک عطا فرماتے رہیں گے۔ اور یہی ایمان اور عقیدہ تھا صحابۂ کرام کا، کہ حضور کو اللہ نے ہر شے کا مالک و مختار بنا دیا ہے۔ وہ جس کو جو چاہیں عطا کر دیں۔

اسی لیے تاج الشریعہ، رہبر شریعت، قاضی القضاۃ، حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری مدظلہ العالی فرماتے ہیں:۔

جہاں بانی عطا کر دیں بھری جنت ہبہ کر دیں
نبی مختار کل ہیں جس کو جو چاہیں عطا کر دیں

اور امام اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: کہ

ایسے دربار کا گدا ہوں جہاں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

حضرات گرامی! آج حضرت خواجہ غریب نواز کی شہنشاہی اور ان کی کرم فرمائی ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ آپ عطائے رسول ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا: کہ اے معین الدین! تم ہمارے دین کے معین و مددگار ہو۔ ہم نے تمھیں ہندوستان کی ولایت عطا فرمائی ہے۔

آج ہندوستان کے کونے کونے میں حضرت خواجہ غریب نواز کی شہنشاہیت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ مانگنے والوں کی بھیڑ ہے۔ امیر و غریب محتاج و نادار حضرت خواجہ غریب کے آستانہ پر فقیر بن کر کھڑے نظر آتے ہیں۔ حضور نے حضرت خواجہ غریب نواز کو ہندوستان کی ولایت عطا فرمادی۔ لہٰذا حضرت خواجہ غریب نواز قیامت تک کے لیے ہندوستان کے والی اور حکمراں بن گئے۔ معلوم ہوا کہ جو کچھ عطا ہوگا اور جو کچھ ملے گا وہ بارگاہ مصطفیٰ ہی سے ملے گا۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جو ایک معزز صحابی ہیں۔ بارگاہ مصطفیٰ میں حاضر ہیں۔ عرض کرتے ہیں: یارسول اللہ! میرے والد عبداللہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ ان کے اوپر بہت سارے لوگوں کا قرض تھا۔ اور انھوں نے اپنے پیچھے میری سات بہنیں چھوڑی ہیں جن کی کفالت میرے ذمہ ہے۔ کل میرے باغ سے کھجور توڑی جائے گی۔ سارے قرض خواہ اکٹھا ہو جائیں گے اور ساری کھجوریں لے کر چلے جائیں گے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ کل آپ کھجور توڑتے وقت میرے باغ میں تشریف لائیں تاکہ میں قرض داروں کی سختی سے بچ جاؤں۔

حضور نے ارشاد فرمایا: میں آجاؤں گا۔ تم تمام قرض داروں کو بھی بلالو کہ وہ بھی اس وقت آجائیں۔

چنانچہ دوسرے دن کھجور توڑی جارہی ہے۔ حضور تشریف فرما ہیں۔ تمام قرض خواہوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔

حضور نے ارشاد فرمایا: ساری کھجوریں اکٹھا کرو۔ اور اس پر ایک چادر ڈال دو۔

چنانچہ کھجوروں کا ڈھیر لگا دیا گیا۔ اس کے اوپر ایک چادر ڈال دی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھجور کے ارد گرد سات چکر لگائے اور کچھ دعا پڑھی اور کھجور کے اوپر آپ بیٹھ گئے۔

ارشاد فرمایا: اے جابر! اب قرض خواہوں کو ایک ایک کرکے بلاؤ اور ایک

طرف سے ان کے قرض کے مطابق کھجوریں ناپ کر دیتے جاؤ۔

چنانچہ حضور کے حکم کے مطابق کھجوریں ناپ ناپ کر قرض خواہوں کو دیتے رہے۔ یہاں تک کہ سارا قرضہ کھجوروں کے ذریعہ ادا ہو گیا۔ حضور کھجور کے اوپر سے نیچے تشریف لائے چادر ہٹائی گئی تو دیکھا۔ جتنی کھجوریں توڑی گئی تھیں اور جتنا بڑا ڈھیر لگایا گیا تھا۔ اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔

غرض حضور کی عطا کا یہ عالم کہ مانگنے والے مانگ رہے ہیں اور حضور عطا فرما رہے ہیں۔ ان کے دریائے کرم میں ایک قطرے کی بھی کمی نہیں ہوتی۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
'نہیں' سنتا ہی نہیں، مانگنے والا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرْ"

اے پیارے رسول ہم نے آپ کو بہت عطا کیا ہے۔ مانگنے والے آتے رہیں گے اور آپ قیامت تک عطا کرتے رہیں گے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابۂ کرام بارگاہ مصطفیٰ میں آ کر اپنی گزارشیں پیش کرتے اور حضور ان کی مرادیں پوری فرما دیتے۔

چنانچہ ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بارگاہ مصطفیٰ میں حاضر ہوئے۔ عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ! میں ہر دم آپ کی بارگاہ میں حاضر رہتا ہوں تاکہ آپ کا فرمان سنوں اور لوگوں تک آپ کا فرمان پہنچاؤں لیکن افسوس کہ میرا قوت حافظہ اتنا کمزور ہے کہ ایک کان سے سنتا ہوں تو دوسرے کان سے نکل جاتا ہے۔ آپ کی کوئی بات مجھے یاد نہیں رہتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے یہ نہ فرمایا کہ جاؤ

معجون مقوی دماغ کھاؤ یا سر پر روغن بادام کی مالش کرو یا دماغین کا استعمال کرو۔
بلکہ ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرہ! چادر بچھاؤ۔
حضرت ابو ہریرہ نے چادر بچھائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک آسمان کی طرف اٹھائے اور چادر میں انڈیلا۔ پھر اٹھائے پھر انڈیلا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سے کچھ لے رہے ہیں اور حضرت ابو ہریرہ کی چادر میں انڈیل رہے ہیں۔ حالاں کہ ظاہری نگاہ دیکھ رہی ہے کہ خالی ہاتھ اوپر جاتا ہے اور خالی ہاتھ نیچے آتا ہے۔ لیکن ایمان کی نگاہیں یہ دیکھ رہی ہیں کہ اللہ کے پیارے حبیب کا ہاتھ ہے۔ یہ دست نبوت ہے دیکھنے میں تو خالی ہے مگر نعمتوں سے بھرا ہوا ہے۔
حضور نے ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرہ! چادر سمیٹ لو اور سینے سے لگا لو۔
حضرت ابو ہریرہ نے احتیاط سے چادر لپیٹی اور اپنے سینے سے لگایا اور اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ میں وہ انقلاب برپا ہوا کہ اب سارے محدثین کو چیلنج کر رہے ہیں کہ پورے روئے زمین پر عمرو بن عاص کے علاوہ مجھ سے بڑا کوئی حافظ حدیث نہیں۔ عمرو بن عاص چوں کہ لکھنا جانتے تھے اس لیے وہ حدیثیں لکھ کر یاد کر لیتے لیکن نہ تو میں پڑھا ہوا ہوں اور نہ لکھنا جانتا ہوں۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ مجھ سے بڑا کوئی حافظ حدیث نہیں۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ حدیث کی جو کتاب اٹھاؤ اور جو صفحہ الٹو ہر صفحہ پر کہیں نہ کہیں " عن ابی هريرة " لکھا ہوا مل جائے گا۔ یعنی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔
معلوم ہوا کہ حضور ایسے قاسم ہیں کہ مانگنے والا جو مانگے۔ عقل مانگے۔ قوت حافظہ مانگے۔ حضور عطا فرماتے ہیں۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

محترم حاضرین کرام! دیتا وہی ہے جس کے پاس دینے کے لیے کچھ ہو اور اسے اس بات کا اختیار بھی ہو کہ جس کو جو چاہے عطا کر دے۔ اگر کسی کے پاس مال و دولت کا انبار ہے مگر اس کو دینے کا اختیار نہیں تو وہ مال و دولت کا مالک ہونے کے باوجود کسی کو کچھ دے نہیں سکتا۔

ہمارے اور آپ کے آقا، جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شئی کے مالک بھی ہیں اور انہیں بانٹنے، تقسیم کرنے کا اختیار بھی ہے۔

اسی لیے رب تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

"مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَانَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا"

یعنی میرا رسول تم کو جو کچھ دیں لے لو اور جس بات سے روکیں رک جاؤ۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے آقا و مولیٰ نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ معظمہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ مکہ کے رئیسوں نے یہ اعلان کر دیا۔ جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے گا اسے ہم سرخ اونٹوں کا انعام دیں گے۔

چنانچہ مکہ کے کئی جانباز حضور کو گرفتار کرنے کے لیے نکلے۔ انہیں لوگوں میں جناب سراقہ ابن جعشم اسلمی بھی تھے۔ یہ بھی انعام کی لالچ میں حضور کی گرفتاری کا ارادہ کر کے نکلے اور یہ حضور کا پیچھا کرتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو دیکھا کہ یہ مجھے گرفتار کرنے آرہے ہیں تو آپ نے زمین کو حکم دیا "یا ارض ادرکیہ" اے زمین سراقہ کو پکڑ لے۔ اتنا کہنا تھا کہ سراقہ کے گھوڑے کا پیر زمین میں دھنس گیا۔ وہ سراقہ جو حضور کو گرفتار کرنے نکلے تھے۔ انہیں حضور کے حکم سے زمین نے ہی گرفتار کر لیا۔ سراقہ کے ذہن وفکر میں یہ بات آئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہی زمین نے مجھے گرفتار کر لیا ہے۔

انھوں نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آزاد کر دیجیے۔ میں واپس

چلا جاؤں گا اور کسی کو آپ کا پتہ بھی نہ بتاؤں گا۔

حضور نے اشارہ کیا اور سراقہ کا گھوڑا آزاد ہو گیا۔ آزاد ہوتے ہی سراقہ کی نیت پھر خراب ہوگئی اور حضور کو گرفتار کرنے کے لیے آگے بڑھے

حضور نے پھر ارشاد فرمایا "یا ارض ادرکیه" اے زمین سراقہ کو پکڑ لے۔ اتنا کہنا تھا کہ سراقہ کا گھوڑا پھر زمین میں دھنس گیا۔ اب سراقہ کو یقین آیا کہ یہ اللہ کے بااختیار رسول ہیں۔ کسی نہ کسی دن یہ پورے عرب پر غالب آجائیں گے۔

چنانچہ انھوں نے عرض کیا: اے محمد ابن عبداللہ! مجھے آزاد کر دیجئے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں واپس چلا جاؤں گا اور کسی کو آپ کا پتہ نہ بتاؤں گا۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو حکم دیا اور سراقہ کا گھوڑا آزاد ہو گیا۔ سراقہ نے کہا: اے محمد ابن عبداللہ! مجھے یقین ہے کسی نہ کسی دن آپ پورے عرب پر غالب آجائیں گے اور فاتح مکہ بن کر ایک دن مکہ تشریف لائیں گے۔ میں چاہتا ہوں اور گزارش کرتا ہو کہ جب آپ فاتح بن کر مکہ تشریف لائیں تو مجھے امان عطا فرما دیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سراقہ! جاؤ میں نے تمہیں امان دے دی۔ اے سراقہ میں تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔

کسریٰ کا کنگن جو سونے کا ہے اسے ایران کا بادشاہ اپنے ہاتھوں میں پہنا کرتا تھا اسی کنگن کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اے سراقہ تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کا کنگن جگمگا رہا ہے۔

محترم حاضرین! کچھ دنوں کے بعد حضرت سراقہؓ ابن جعشم ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ حضرت فاروق اعظم کا دور خلافت ہے۔ مجاہدین اسلام جس طرف رخ کرتے فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی۔ حضرت عمر فاروق کی خلافت کے زمانہ میں حضرت سراقہ ابن جعشم سخت بیمار ہوئے۔ ان کی زندگی کی امید نہ

رہی۔ صحابۂ کرام ان کی عیادت کے لیے آتے اور اس انداز میں گفتگو کرتے جس سے یہ معلوم ہوتا کہ اب سراقہ کا دنیا سے چل چلاؤ ہے اور اب ان کا بچنا مشکل ہے۔ جب حضرت سراقہ کو یقین ہو گیا کہ لوگ میری زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں اور لوگوں کو یقین ہو گیا ہے کہ سراقہ کا آخری وقت آ گیا ہے تو حضرت سراقہ نے لوگوں سے کہا: اے صحابیو! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اب میں مر جاؤں گا اور تم سے جدا ہو جاؤں گا۔ تم لوگ سن لو کہ قسم خدا کی موت کی یہ مجال نہیں کہ وہ میرے دروازے پر دستک دے سکے۔ کیونکہ حضور نے مجھ کو کسریٰ کا کنگن عطا فرمایا ہے۔ مگر میں نے ابھی اسے لیا نہیں ہے اور اللہ کا حکم ہے جو میرا رسول تمہیں دے وہ لے لو۔ حضور نے مجھے کسریٰ کا کنگن دیا ہے اور میں نے ابھی لیا نہیں۔ اس لیے جب تک وہ کنگن میں لے نہیں لوں گا اس وقت تک موت کی ہمت نہیں کہ میرے گھر کی طرف اپنا رخ کرے۔

چنانچہ کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت سراقہ ابن جعشم صحت یاب ہو گئے اور پھر حضرت فاروق اعظم کے ہی دور خلافت میں ایران فتح ہوا کسریٰ مارا گیا اور مال غنیمت میں کسریٰ کا کنگن بھی ہاتھ آیا۔ مسجد نبوی کے صحن میں ایران سے لایا گیا مال غنیمت کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور سب سے اوپر کسریٰ کا کنگن رکھا ہوا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ جاؤ سراقہ سے کہہ دو کہ کسریٰ کا وہ کنگن جس کو حضور نے ہجرت کے وقت اس کو عطا کیا تھا وہ کنگن آ چکا ہے وہ آ کر اپنی امانت لے جائیں۔

حضرت سراقہ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت عمر فاروق اعظم نے اپنے دست مبارک سے وہ کنگن حضرت سراقہ کے ہاتھوں میں پہنا دیا۔

محترم حاضرین کرام! شریعت اسلامیہ میں مردوں کے لیے سونا پہننا حرام ہے۔ مگر میرے آقا و مولیٰ نے سونے کا وہ بنا ہوا کنگن حضرت سراقہ کے لیے حلال

فرمادیا۔ تو معلوم ہوا کہ حضور لوگوں کو دنیا کا مال بھی عطا کرتے ہیں اور آخرت کی بھلائی بھی۔ اللہ نے ان کو اتنا بااختیار بنادیا ہے کہ جس چیز کو جس کے لیے چاہیں حلال کردیں اور جس کے لیے چاہیں حرام کردیں۔ عقل انسانی یہ سوچ کر حیران رہ جاتی ہے کہ وہ کنگن جو ایک حکمراں کی ملکیت ہے وہ کسی عام آدمی کی ملکیت کیسے بن سکتی ہے؟ یہی تو میرے آقا کا مزاج ہے۔ جو انسانی عقل وادراک میں سما نہ سکے۔ رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات کا مالک بھی بنادیا ہے اور بانٹنے کا اختیار بھی عطا فرمایا ہے۔

یہی تو وجہ تھی کہ ایک بار حضرت ربیعہ ابن کعب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے لیے پانی کا ایک لوٹا لاکر رکھا۔ یہ دیکھ کر حضور کا دریائے کرم جوش میں آیا ارشاد فرمایا "سَلْ یَا رَبِیْعَةُ" اے ربیعہ مانگو۔

حضرت ربیعہ ابن کعب نے مال ودولت نہ مانگی۔ شان وشوکت نہ مانگی بلکہ عرض کیا: یارسول اللہ! "أَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّةِ" یعنی یارسول اللہ! میں جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں اسی جنت میں رہوں جس میں آپ تشریف فرما ہوں۔

حضور نے ارشاد فرمایا: اور مانگو۔

ربیعہ ابن کعب نے عرض کیا: بس یارسول اللہ! مجھے جنت میں آپ کی رفاقت چاہیے۔

حضور نے ارشاد فرمایا: ٹھیک ہے کثرت سجود سے میری مدد کرو۔ یعنی عبادتیں کرو۔ تاکہ تم اس جنت کے قابل بن جاؤ۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جنت بھی آپ کی ملکیت ہے اور مانگنے والوں کو آپ جنت بھی عطا کردیتے ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرْ"

اے پیارے رسول ہم نے آپ کو زمین کا بھی مالک بنایا اور آسمان کا بھی۔ آپ حوض کوثر کے بھی مالک ہیں اور جنت کے بھی۔ آپ سے مانگنے والوں نے کبھی یہ نہ سوچا کہ حضور صرف دنیا ہی کے مالک بنائے گئے ہیں۔ حالانکہ آپ دنیا و آخرت دونوں کے مالک ہیں اور اسی یقین کے ساتھ صحابۂ کرام آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور اپنی گزارشیں پیش کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک بار حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بارگاہ مصطفیٰ میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! میرا آقا ایک یہودی ہے۔ اس نے مجھے آزاد کرنے کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ تم مجھے تین سو پھلدار کھجوروں کے درخت کا ایک باغ اور چالیس اوقیہ سونا دے دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔

حضرت سلمان فارسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے ارشاد فرمایا: کہ اے صحابیو! تین سو کھجوروں کے پودے اکٹھا کرو تاکہ سلمان فارسی کی آزادی کا انتظام کیا جائے۔

اتنا کہنا تھا کہ آناً فاناً تین سو کھجوروں کے پودے اکٹھے ہو گئے۔ پھر حضور صحابۂ کرام کے ساتھ مدینہ کے باہر تشریف لے گئے۔ ایک زمین متعین کی گئی۔ اس زمین میں پودے حضور صلی اللہ علیہ سلم نے اپنے دست مبارک سے لگائے۔ لیکن تین پودے وہ تھے جن کو عمر فاروق نے اپنے ہاتھ سے لگائے تھے۔ پودے لگانے کے بعد لوگ واپس آ گئے۔ چھ مہینے کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا: اے صحابیو! چلو سلمان فارسی کا باغ دیکھنے چلیں۔ جب حضور وہاں تشریف لے گئے تو لوگوں نے دیکھا کہ چھ مہینے کے اندر ہی تمام پودے تناور درخت بن چکے ہیں اور تین پودے اتنے ہی بڑے تھے جتنے بڑے لگائے گئے تھے۔

حضور نے ارشاد فرمایا: یہ تین پودے کس نے لگائے تھے؟

حضرت عمر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ پودے میں نے لگائے ہیں۔

حضور نے چھوٹے چھوٹے پودوں کو اکھیڑ کر پھر اپنے دست مبارک سے لگا دیا۔ سب لوگ واپس ہو گئے چھ مہینے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا: کہ اے صحابیو! چلو سلمان فارسی کا باغ دیکھنے چلیں۔

چنانچہ سب لوگ اس باغ میں پہنچے تو دیکھا کہ کھجور کے ہر درخت میں کھجور کے پھل لگے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ تین درخت جو بعد میں بوئے گئے تھے وہ بھی پھل دار ہو گئے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے سلمان! تمہارا باغ تیار ہے۔ اسے اپنے آقا کے حوالے کر دو۔ دوسرے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کہیں سے کبوتر کے انڈے کے برابر سونا آیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا: اے سلمان! یہ سونا کاٹ کاٹ کر وزن کرتے جاؤ اور اپنے آقا کو دیتے جاؤ۔

چنانچہ وہ تھوڑا سا سونا جو کبوتر کے انڈے کے برابر تھا۔ اسے کاٹ کر تولتے اور اپنے آقا کے حوالے کر دیتے۔ یہاں تک کہ چالیس اوقیہ دینے کے بعد بھی اتنی ہی مقدار میں سونا باقی بچ گیا جتنا حضور نے عطا فرمایا تھا۔

یہ حضور کا اعجاز ہی تو تھا۔ ایک سال کے اندر چھوٹے چھوٹے پودے پھلدار درخت کی صورت میں تبدیل ہو گئے اور یہ حضور کی عطا ہی تو تھی کہ مختصر سا سونا چالیس اوقیہ سونے میں تبدیل ہو گیا۔ حضور کی حکمرانی ہر ایک شئی پر قائم ہے کہ جس چیز کو چاہیں اور جتنا چاہیں بڑھا دیں اور جتنا چاہیں گھٹا دیں۔

اسی لیے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:۔

جس سے تم روٹھو وہ برگشتۂ دنیا ہو جائے
جس کو تم چاہو وہ قطرہ ہو تو دریا ہو جائے
قہر سے دیکھو تو شاداب چمن جل جائے
مسکرا دو تو اندھیرے میں اجالا ہو جائے

محترم حاضرین کرام! سورۂ کوثر جس کی پہلی آیت کی تلاوت کا شرف حاصل کیا۔ اس سورۃ کا شان نزول یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ دو بچوں کی وفات کے بعد ان کی پیدائش ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیدائش پر اپنی بہت خوشی کا اظہار کیا۔ حضرت ماریہ قبطیہ حضور کی کنیز تھیں۔ جو بہت ہی حسین و جمیل تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک الگ مکان تعمیر کرایا تھا۔ جس میں حضرت ماریہ قیام پذیر تھیں۔ حضرت ابراہیم کی ولادت کی خبر حضور کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع لے کر حاضر ہوئے تو حضور بہت خوش ہوئے اور انہیں ایک چادر عطا فرمائی۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابراہیم سے محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم شیر خوارگی کے وقت میں چھ مہینے کی عمر پا کر انتقال کر گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابراہیم کی وفات سے حد درجہ غمگین ہوئے۔ مزید برآں یہ کہ دشمنان اسلام نے حضور کے خلاف زبان درازی شروع کر دی۔ کہنے لگے: محمد ابن عبداللہ اب ابتر ہو گئے۔ اب ان کے گھر میں کوئی چراغ جلانے والا نہ رہا۔ ان کی نسل ختم ہو گئی۔ یہ منقطع النسل ہو گئے۔ ایک تو حضور نورِ نظر کی جدائی سے ہی غمگین تھے۔ دوسرا یہ کہ دشمنان اسلام نے طعنہ زنی کر کے مزید غمزدہ کر دیا۔ رب تبارک وتعالیٰ کو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی غمگینی اور ان کا حزن وملال گوارہ نہ ہوا۔

ارشاد فرمایا:

"اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرْ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَالْاَبْتَرْ"

اے پیارے رسول! صاحبزادے کی جدائی پر غمگین نہ ہوں کیونکہ ہم نے آپ کو حوض کوثر عطا فرمایا ہے۔ ہم نے آپ کو امت کثیر عطا فرمائی ہے۔ ہم نے

آپ کو جنت ودوزخ اور حوض کوثر کا مالک بنایا ہے۔ لہٰذا آپ اپنے رب کی عبادت کیجئے اور قربانی پیش کیجئے اور وہی لوگ منقطع النسل ہیں جو آپ کو منقطع النسل کہتے ہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور کو منقطع النسل کہنے والے دنیا سے نیست ونابود ہوگئے اور حضور کی نسل قیامت تک باقی رہی۔ سارے لوگوں کی نسل لڑکوں سے چلتی ہے۔ مگر ہمارے آقا کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی نسل ان کی صاحبزادی، خاتون جنت، حضرت فاطمۃ الزہرہ سے جاری ہے۔ اللہ نے دنیا میں اپنے پیارے رسول کو سب کچھ عطا فرمادیا اور قیامت میں اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہوجائیں گے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

"وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى".

اے پیارے رسول! عنقریب ہم آپ کو اتنا عطا فرمائیں گے کہ آپ خوش ہوجائیں گے۔

اس آیت کے اترنے کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا: میں اس وقت تک راضی نہ ہوؤں گا جب تک کہ میری امت کا ایک ایک فرد جنت میں داخل نہ ہوجائے۔

یہ حضور کی عطا اور نوازش ہی تو ہے کہ دنیا میں بھی ہم گنہگاروں کو اپنی رحمت سے نوازتے رہے اور قیامت میں بھی انہیں کا کرم ہوگا۔ جس سے ہماری بخشش ہوجائے گی۔ اسی لیے امام اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ! واہ!

قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ! واہ!

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

☆☆☆☆☆

اتباع رسول

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّلَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

اَمَّابَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ

"قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ"

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْاَمِیْنُ الْمَکِیْنُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنْ.

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہے اگر خامی تو سب کچھ نا مکمل ہے

بادۂ توحید کے متوالو! شمع رسالت کے پروانو! غوث اعظم کے دیوانو! اولیائے امت کے جانثارو!

آیئے سب سے پہلے ہم اور آپ آقائے نامدار، مدینہ کے تاجدار، دونوں عالم کے مالک ومختار، جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے

کس پناہ میں عقیدت ومحبت کی ڈالیاں پیش کریں، پڑھیں۔

اللھم صل علی سیدنا مولانا محمد وبارک وسلم.

حضرات گرامی! اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر، ان کے دل ودماغ میں دو طرح کے جذبات پیدا کیے ہیں اور ساری دنیا کی یہ رونق، یہ چہل پہل، یہ حسن اور یہ دل فریبی جو نظر آرہی ہے، یہ صرف انھیں دو جذبات کی وجہ سے نظر آتی ہے۔ وہ کون سے دو جذبے ہیں؟

ایک ہے جذبۂ محبت اور ایک ہے جذبۂ نفرت وعداوت۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر محبت کا بھی جذبہ پیدا فرمایا ہے۔ انسان محبت کرتا ہے تو اپنے بال بچوں سے بھی محبت کرتا ہے۔ ماں باپ سے بھی محبت کرتا ہے۔ بھائی بہنوں سے محبت ہوتی ہے۔ اولیائے عظام سے محبت ہوتی ہے۔ نبی اور رسول سے محبت ہوتی ہے اور اللہ سے بھی محبت ہوتی ہے۔

اسی طرح انسان نفرت بھی کرتا ہے۔ کچھ لوگ اپنی اولاد سے بھی نفرت کرتے ہیں۔ ماں باپ سے بھی نفرت کرتے ہیں اور کچھ ایسے بیہودے بھی ہیں جو اللہ کے رسول سے بھی نفرت کرتے ہیں اور اللہ سے بھی نفرت کرتے ہیں۔

بہر حال جو کچھ ہوتا ہے محبت اور نفرت ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اگر یہ دو جذبے انسان کے دل سے نکال دیے جائیں تو پھر دنیا میں کوئی رونق باقی نہیں رہے گی۔ کوئی حسن اور دلفریبی نہیں رہے گی۔ آدمی بالکل مردہ ہو کر رہ جائیگا۔

انسان کام تو کرتا ہے۔ دن بھر محنت ومشقت کرتا ہے۔ رات میں نیند اپنی برباد کرتا ہے۔ کیوں؟ اپنے بچوں کی محبت کے لیے کہ اگر آج رات کو میں کماؤں گا نہیں تو کل میرے بچے کھائیں گے کیا؟ یہ ان کی نیند کیوں اڑ گئی ان کی آنکھوں سے؟ رات میں تو آدمی سوتا ہے دن میں کام کرتا ہے۔ یہ رات میں کیوں کام کر رہے ہیں۔ یہ جاگنا بھی ان کی محبت ہی کی وجہ سے ہے۔

میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ محبت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور نفرت سے بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔

نفرت تو وہ ہے کہ جب انسان کے دل میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے تو میدان جنگ گرم ہو جاتا ہے۔ تلواروں کی چمک سے لوگوں کا دل دہل جاتا ہے۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین کا سینہ دہل اٹھتا ہے۔ کشتوں کے پشتے لگ جاتے ہیں۔ آبادیاں ویران ہو جاتی ہیں۔ کھیت اور کھلیان سے آگ کے شعلے اٹھنے لگتے ہیں۔ بچے یتیم بھی ہوتے ہیں۔ بوڑھوں کا سہارا بھی چھن جاتا ہے۔ یہ سب اس وقت ہوتا ہے جب انسان جذبۂ نفرت سے کام لیتا ہے۔

بتانا یہ ہے کہ اللہ نے یہ دو جذبے پیدا کیے ہیں اور ان دو جذبوں میں اتنی طاقت دی کہ انسان جب نفرت وعداوت سے کام لیتا ہے تو آبادیاں ویران ہو جاتی ہیں اور انسان جب محبت سے کام لیتا ہے تو ویرانے آباد ہو جاتے ہیں۔ صحرا لہلہا اٹھتے ہیں۔ دشت وجبل رشک چمن بن جاتے ہیں۔

کتنی طاقت ہے محبت میں اور کتنی طاقت ہے نفرت میں؟

حضرات گرامی! عزیزان ملت اسلامیہ! آیئے میں آپ کو حدیث کا ایک واقعہ بتادوں۔ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ایک بڑے ہی زبردست دشمن سے نبرد آزما تھے، لڑ رہے تھے۔ بڑی مشکل سے دشمن پر قابو پایا۔ گریبان میں ہاتھ ڈالا۔ اس کو اپنے سر سے بلند کیا اور زمین پر پٹخ دیا۔ سینے پر چڑھ گئے۔ تلوار نکالی اور تلوار اس کی گردن پر رکھ دی قریب تھا کہ تلوار چلتی اور دشمن کا کام تمام ہو جاتا۔

دشمن سے جب کچھ نہ ہو سکا اور اسے یقین ہو گیا کہ اب تو میں قتل ہو ہی جاؤں گا تو اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا۔

اب ذرا غور کرو! کہ اگر کسی کے چہرے پر کوئی تھوک دے تو اس کے غصہ کا پارہ کتنا چڑھ جائے گا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ ٹیمپریچر ہائی ہو جائے گا۔

لیکن تاریخ ایک عجیب غریب واقعہ پیش کرتی ہے کہ جیسے ہی دشمن نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے چہرے پر تھوکا ہے۔ حضرت علی نے اپنی تلوار گھما کر پھینک دی۔ دشمن کے سینے سے اٹھ گئے اور اٹھ کر ٹہلنے لگے۔ دشمن اٹھ کر بیٹھ گیا۔

حیرت واستعجاب کے سمندر میں ڈوبتے ڈوبتے کہنے لگا: علی! مجھ کو بڑا تعجب ہے!

مجھے تمہارے ذہن وفکر پر حیرت ہے!

معلوم ہوتا ہے تم اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہو۔

بھلا بتاؤ کوئی اتنے خطرناک دشمن پر قابو پانے کے بعد اتنی آسانی سے چھوڑ بھی دیتا ہے۔

میں نے تمہاری بڑی تعریفیں سنی تھی۔

میں نے سنا تھا کہ تم فنون جنگ کے بڑے ماہر ہو۔

میں نے سنا تھا کہ تمہارے رسول نے فرمایا ہے:

"اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا"

میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے دروازے ہیں۔

میں نے تمہاری بڑی تعریفیں سنی تھی۔

لیکن تمہارا یہ کام دیکھ کر میں کہتا ہوں کہ تم فنون جنگ سے بالکل نا آشنا ہو۔

تم عقل سے بالکل پیدل ہو۔ مجھ کو بتاؤ دشمن پر قابو پانے کے بعد کوئی اتنی آسانی سے دشمن کو چھوڑ بھی دیتا ہے؟

تو حضرت علی نے ارشاد فرمایا: اے بیوقوف انسان سن! اصل میں تو ہمارے مزاج سے واقف نہیں ہے۔ رسول پاک نے ہمارے مزاج میں کتنا بڑا انقلاب پیدا کر دیا ہے تو جانتا ہی نہیں ہے۔

سن ہم کام کرتے ہیں تو اپنے نفس کے لیے نہیں کرتے ہیں۔ جو کام کرتے ہیں اللہ کے لیے کرتے ہیں۔ ہم محبت بھی کرتے ہیں تو اللہ کے لیے اور نفرت بھی

کرتے ہیں تو اللہ کے لیے۔

سنو! جب تم میرے مدمقابل آئے تھے تو میرے دل میں تمہارے خلاف نفرت تھی اور یہ نفرت صرف اللہ کے لیے تھی رسول اللہ کے لیے تھی۔

جب میں نے تم کو پچھاڑا تھا اس وقت بھی غصہ تھا اور یہ غصہ صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیے تھا۔

جب میں نے تمہاری گردن پر اپنی تلوار رکھی تب بھی میرے دل میں تمہارے خلاف غصہ تھا مگر یہ غصہ صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیے تھا۔ مگر جیسے ہی تم نے میرے چہرے پر تھوکا ہے تو اب وہ نفرت جو اللہ اور رسول کے لیے تھی وہ تو ختم ہوگئی اب اس میں میرے نفس کو دخل ہوگیا۔ میرے دل میں نفرت پیدا ہوگئی۔ اس لیے ہم کوئی کام اپنے نفس کے لیے نہیں کرتے۔ محبت بھی کرتے ہیں تو اللہ ہی کے لیے اور نفرت بھی کرتے ہیں تو اللہ ہی کے لیے۔ پیار بھی کرتے ہیں خدا اور رسول کے لیے۔ غصہ بھی کرتے ہیں اللہ ورسول کے لیے۔

جب تم میرے مدمقابل آئے تھے تو غصہ تھا اللہ کے لیے۔ لیکن جیسے ہی تم نے میرے چہرے پر تھوکا ہے تو اب وہ غصہ رخصت ہوگیا۔ اب میرے نفس کا غصہ غالب ہوگیا۔

"رجعتُ من جهادِ الاصغرِ الی جهادِ الاکبر"

چھوٹا جہاد چھوڑ کر اب میں بڑے جہاد میں لگ گیا ہوں۔

جب میں تم سے لڑ رہا تھا تو یہ چھوٹا جہاد تھا۔ اب میں شیطان سے لڑ رہا ہوں تو یہ بڑا جہاد ہے۔

اتنا سننا تھا کہ دشمن بے اختیار پکار اٹھا: اے علی! جو مذہب اور رسول اپنے ماننے والوں میں اتنا عظیم کردار پیدا کر رہا ہو اس مذہب اور اس رسول کی غلامی سے میں دور نہیں رہ سکتا۔ اے علی گواہ ہو جاؤ میں پڑھتا ہوں:

"اشهد ان لا اله الا اللہ واشهد ان محمداً عبده ورسوله"

بتانا یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنی پوری طاقت لگا کر دشمن کو بڑی مشکل سے زیر کرلیا پھر بھی وہ کافر کا کافر ہی رہا۔ مشرک کا مشرک ہی رہا۔ جب تلوار اس کی گردن پر رکھی تب بھی کافر کا کافر تھا مشرک کا مشرک تھا۔ لیکن جیسے ہی انھوں نے سیرت محمدی کا نمونہ پیش کیا۔ تلوار پھینک دی۔ اس لیے دیکھتے کیا ہیں کہ جو دشمن تھا وہ دوست ہو گیا ہے۔ جو کافر تھا وہ دولت ایمان سے مالا مال ہو گیا ہے۔ جو میرے آقا کا دشمن تھا وہ ان کا غلام ہو گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ جب نفرت کی تلوار چلتی ہے تو دشمن کی گردنیں کٹتی ہیں۔ اور جب عشق ومحبت کی تلوار چلتی ہے تو دشمن کی گردن نہیں بلکہ دشمنی کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔

جب نفرت وعداوت کی تلوار چلتی ہے تو کافر ومشرک کی گردنیں کٹتی ہیں۔ اور جب محبت کی تلوار چلتی ہے تو کفر کٹا کرتا ہے۔ شرک کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھر جاتی ہیں۔

معلوم ہو گیا کہ نفرت کے مقابلہ میں محبت اپنے اندر بے پناہ طاقت رکھتی ہے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ غصہ میں بھی کتنی طاقت ہے اور محبت میں بھی کتنی طاقت ہے۔

لیکن محبت کی طاقت اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ محبت کی تو وہ طاقت ہے کہ انسان جب دوسرے انسان سے محبت کرتا ہے تو کتنے بڑے بڑے کارنامے انجام دیتا ہے۔

غور کیجئے! ہمارے ہندوستان میں آگرہ ایک شہر ہے۔ وہاں پر ایک عمارت ہے۔ جس کا نام "تاج محل" ہے۔ دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں۔ امریکہ سے چلے آرہے ہیں۔ برطانیہ سے چلے آرہے ہیں۔ جرمنی سے آرہے ہیں۔ جاپان سے آرہے ہیں۔ تاج محل دیکھنے۔ اس غریب اور بھوکڑ

ملک میں آرہے ہیں تاج محل دیکھنے۔

میں انھیں کہتا ہوں: اے امریکہ والو! تمہیں ہندوستان میں آنے کی کیا ضرورت ہے؟ آگرہ کا تاج محل دیکھنے آئے ہو۔ ارے تمہاری ٹیکنالوجی تو اتنی ترقی کرچکی ہے۔ تم سائنس میں اتنے بلند و بالا ہوگئے ہو کہ ستاروں کی پیمائش بھی کررہے ہو۔ ہواؤں میں پرواز بھی کررہے ہو۔ چاند کی سرزمین پر فتح کا جھنڈا تم گاڑ چکے ہو۔ تمہاری ٹیکنالوجی اور سائنس اتنی ترقی کرچکی ہے تو کیوں نہیں تم اپنے نیویارک ہی میں ایک ''تاج محل'' بنالیتے۔

تمہارے پاس انجینئروں کی کمی نہیں ہے۔ مزدوروں کی کمی ہو تو ہمارے بھارت سے لے جاؤ۔ تم کیوں نہیں نیویارک میں ایک تاج محل بنالیتے۔ وہیں بیٹھ کر اسے ٹکر ٹکر دیکھا کرتے۔ ہندوستان میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔

اور اے برطانیہ والو! تمہاری بھی ٹیکنالوجی کا کوئی جواب نہیں ہے۔ تمہاری سائنس بھی بہت ترقی یافتہ ہے۔ تمہارے یہاں بھی ایک سے ایک انجینئر اور ماہر تعمیرات ہیں۔ کیوں نہیں وہیں پر ایک تاج محل بنالیتے۔ ہندوستان میں آنے کی کیا ضرورت ہے؟ آگرہ میں کیوں آرہے ہو؟

تو وہ یہ کہیں گے: اے فداء المصطفیٰ ایک تاج محل نہیں۔ ہم تو درجنوں تاج محل بنالیں گے۔ ہمارے پاس مٹیریل کی کمی نہیں ہے۔ سنگ مرمر کہاں نہیں ملتا ہے؟ ہر جگہ سے ہم لاسکتے ہیں۔ انجینئر کی کمی نہیں۔ تعمیرات کی مہارت کی کمی نہیں۔ کسی چیز کی کمی نہیں۔ سب کچھ ہمارے پاس ہے۔ لیکن فداء المصطفیٰ وہ جذبۂ محبت ہم کہاں سے لائیں گے۔ تاج محل تو بن جائے گا۔ مگر اس عمارت میں حسن نہیں پیدا ہوگا۔ کیوں کہ تاج محل میں حسن پیدا ہوا ہے اس جذبۂ محبت کی وجہ سے جس کی بنیاد پر اسے تعمیر کیا گیا ہے۔

اگرچہ کمنسٹوں کے ذہن وفکر میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ دنیا کی ساری

خوبیاں مال و دولت کے ذریعہ حاصل کی جاتی ہیں۔ اگر دولت ہے تو سب کچھ ہے اور دولت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اخلاق و محبت کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی لیے ایک کمنسٹ شاعر کہہ اٹھا۔

یہ چمن زار یہ دریا کا کنارہ یہ محل
یہ منقش در و دیوار یہ محراب یہ طاق
ایک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

لیکن حقیقت ہے کہ تاج محل کا حسن، اس کی دلکشی، اس کی جاذبیت جو کچھ بھی ہے یہ محبت ہی کا ثمرہ ہے۔ اسی لیے ایک رومانی شاعر تاج محل دیکھ کر پکار اٹھا: ؎

ایک شہنشاہ نے بنوا کے حسیں تاج محل
ساری دنیا کو محبت کی نشانی دے دی

عزیزان ملت اسلامیہ! میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ انسان جب انسان سے محبت کرتا ہے تو تاج محل بناتا ہے۔ نادر و نایاب کارنامے انجام دیتا ہے۔

یہ محبت تو ایک مجازی محبت ہے۔ اس محبت کی کیا حیثیت ہے۔ ارے جب تک جی رہے ہو۔ تب تک محبت ہی محبت ہے۔ ابھی مر جاؤ صبح کو لے جا کے دفن کر کے چلے آئیں گے۔ تھوڑا سا رو لیں گے۔ یہی نہ ہوگا؟

پھر ایک دو مہینہ بعد بھول جائیں گے کہ کوئی ہمارا تھا بھی اور پھر قیامت میں تو پتہ ہی چل جائے گا کہ کس کو کتنی محبت ہے۔

اسی لیے اس کو عارضی اور مجازی محبت کہتے ہیں۔ انسان کی انسان سے جو محبت ہوتی ہے۔ ماں کی بیٹے سے، بیٹے کی ماں سے، شوہر کی بیوی سے، بیوی کی شوہر سے۔ یہ ساری کی ساری محبتیں عارضی اور مجازی ہیں۔

لیکن غور کرو! عارضی محبت کا یہ عالم ہے۔ مجازی محبت کا یہ عالم ہے۔ تو حقیقی

محبت کا کیا عالم ہوگا۔ایک انسان جب انسان سے محبت کرتا ہے تو کارنامے انجام دیتا ہے۔اب مجھ کو بتاؤ اگر کوئی انسان اللہ ورسول سے محبت کرنے لگے تو کیا ہوگا؟ اللہ ورسول سے محبت کرنے لگے تو وہ کون سے کارنامے انجام دے گا؟ خدا کی قسم! عقل انسانی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی کہ وہ کونسا کارنامہ انجام دے گا۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک لشکر جرار لے کر دشمنوں کے علاقے کی طرف بڑھے۔راستے میں اتفاق سے ایک سمندر کا ٹکڑا آ گیا اور اس کو پار کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

آج کل کے مسلمان ہوتے تو کہتے: چلو گھر چلو۔کوئی کشتی نہیں۔کوئی جہاز نہیں۔تبلیغ ہی تو کرنے جانا ہے تو کیا جان دینے جائیں۔کون جائے گا جان دینے؟

مگر وہ لوگ وہ نہیں تھے۔وہ تو اپنی جان کا نذرانہ لے کر آئے تھے۔انھیں اللہ اور رسول کا پیغام پہنچانا تھا دشمنوں کے ملک میں۔مگر نہ کوئی کشتی ہے، نہ جہاز ہے، نہ اسٹیمر ہے، پار کرنے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے۔حسرت ویاس سے کنارے کھڑے ہوکر تمام مسلمان دشمن کا علاقہ دیکھ رہے ہیں۔کیسے ہم یہ دریا پار کریں کہ اس علاقے میں ہم لوگ جائیں اپنے دین کا ڈنکا بجانے۔

یہ بھی ایک محبت کا جذبہ ہے۔جو عشق رسول ہے۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں: اے میرے لشکریو! اے فرزندان اسلام! اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامو! سنو! تمہارے پاس دریا اور سمندر پار کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔نہ کشتی ہے، نہ جہاز ہے، نہ اسٹیمر ہے۔لیکن یہ سن لو! غلامان رسول محبت رسول میں سرشار ہوتے ہیں اور جب کوئی محبت رسول میں ڈوب جاتا ہے تو وہ ذرائع کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔وہ ذرائع کا محتاج نہیں ہوتا۔اس کو وسائل نہیں چاہیے۔اس لیے آؤ۔میں اپنا گھوڑا دریا میں ڈالتا ہوں۔میرے پیچھے تم لوگ بھی نعرۂ تکبیر، نعرۂ رسالت لگاتے ہوئے اپنا گھوڑا دریا میں ڈالدو۔

چنانچہ! حضرت سعد ابن ابی وقاص نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈالا اور پھر سارے لشکری اپنا اپنا گھوڑا لے کر دریا میں کود پڑے۔

لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ وہ گھوڑے دریا میں تیر نہیں رہے تھے۔ بلکہ پانی کی سطح پر دوڑ رہے تھے اور ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پانی کے چھینٹے اڑ رہے تھے۔

یہی دیکھا تھا علامہ اقبال نے تو بے اختیار پکار اٹھا:۔

دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
اور کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

عزیزان ملت اسلامیہ! اب ذرا غور کیجئے کہ اللہ ورسول سے محبت کرنے والوں کے یہ کارنامے ہیں۔ ایک سے ایک کارنامے نظر آئیں گے۔ جنھوں نے اللہ ورسول سے محبت کی۔ کیونکہ یہ محبت، محبت حقیقی ہے۔

مگر اب میں اور آگے بڑھ کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایک مسلمان اللہ ورسول سے محبت کرے تو یہ ہوتا ہے اور اگر اللہ ہی بندے سے محبت کرے تو؟ بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے تو یہ ہو جاتا ہے، اور اگر اللہ ہی بندے سے محبت کرنے لگے، اللہ ہی اپنے بندے کو محبوب بنالے تو اب اس بندے کا مرتبہ کیا ہوگا؟ کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اللہ سے محبت کرنے والا وہ ہوتا ہے۔ لیکن اللہ جس سے محبت کرنے لگے تو یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے بارے میں فرماتا ہے:

"اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ".

سن لو! یہ ہمارے محبوب ہیں۔ یہ ہمارے دوست ہیں۔ ان کو دھمکی مت دینا۔ یہ تمہاری دھمکی سے ڈرنے والے نہیں۔ ان کو نقصان پہنچانے کی کوشش مت کرنا۔ تم انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ یہ ہمارے محبوب ہیں۔ یہ ہمارے

دوست ہیں۔ یہ غم سے بے نیاز ہیں۔ جیسے میں بے غم ہوں۔ اسی طرح میں نے اپنی صفات سے ان کو متصف کردیا ہے۔ جیسے میں بے خوف ہوں۔ اپنے محبوبوں کو بھی بے خوف بنادیا ہے۔ اس لیے نہ تمہاری دھمکی کام آئے گی۔ نہ تمہارا ڈر کام آئے گا۔ تم رنج پہنچانا چاہو گے تو انہیں کوئی رنج نہ ہوگا۔

ارے یہ تو وہ لوگ ہیں کہ:۔

سکندر لوٹ کر بھی خوش نہیں دولت زمانے کی
قلندر مایۂ ہستی لٹا کر رقص کرتا ہے

انہیں غم نہیں ہوتا۔ پوری کائنات لٹ جائے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بس عشق رسول سلامت رہے۔ محبت رسول باقی رہے۔

اسی لئے تو حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ لوگوں نے حالت عبادت میں ابھی عبادت سے فارغ ہوئے کہ آ کے کہا: کہ حضور! آپ کا وہ بحری جہاز جس پر آپ کا سامان تجارت فلاں شہر جارہا تھا وہ سمندر میں غرق ہوگیا۔

اب ذرا غور کیجئے! تجارت کے لیے وہ جہاز جارہا تھا ڈوب گیا۔ حضرت غوث اعظم نے سر جھکایا۔

آج کے لوگ ہوتے تو تھوبڑا گرالیتے، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔

آپ نے سر جھکایا تھوڑا غور وفکر کیا۔ سر اٹھا کے کہا: الحمد للہ!

ذرا غور کیجئے! اللہ کا شکر ادا کیا۔ اتنا سامان ڈوب گیا کوئی پرواہ نہیں۔ کہتے ہیں: الحمد للہ!

ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ پھر کچھ لوگ دوڑے آئے۔ حضور! وہ آپ کا سامان تجارت والا جہاز نہیں ڈوبا وہ کسی اور کا تھا۔ آپ کا جہاز تو پہنچ گیا منزل پر۔ آپ کے سامان تو بازار میں بک رہے ہیں۔

پھر حضرت نے سر جھکایا۔ سر اٹھا کے کہتے ہیں: الحمد للہ!

لوگوں نے پوچھا: حضور! جب آپ کو بڑے نقصان کی خبر دی گئی تب بھی الحمد للہ اور جب اتنی بڑی خوشخبری دی گئی تب بھی الحمد للہ۔ یہ کیسی ''الحمد للہ'' ہے۔ جو خوشی میں بھی چل رہی ہے اور غمی میں بھی چل رہی ہے۔

تو حضرت غوث اعظم ارشاد فرماتے ہیں: سنو! جب لوگوں نے یہ خبر مجھ کو دی کہ آپ کا مال تجارت ڈوب گیا ہے۔ میں نے دل کی طرف توجہ کی کہ دیکھوں تو کہیں اس کا اثر میرے دل پر پڑا کہ نہیں تو میں نے دل کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ یہاں اس کا کوئی اثر نہیں۔ تو میں نے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ اللہ کی محبت جہاں آباد ہوگئی۔ وہاں غم کا نشان کہاں سے آئے گا۔

پھر جب لوگوں نے سامان تجارت کی حفاظت کی خبر دی۔ پھر میں نے دل کی طرف توجہ کی کہ دیکھوں کہیں غرور اور خوشی میں حد سے آگے تو نہیں بڑھ گیا۔ میں نے دل کا جائزہ لیا۔ تو دیکھا کہ دل اپنی جگہ صحیح و سالم ہے۔ وہی عشق رسول میرے دل میں جاگزیں ہے اور وہی اللہ کی محبت ہے۔ تو میں نے کہا: الحمد للہ۔

ذرا غور کیجئے! اتنا بڑا نقصان ہو رہا ہے مگر کوئی غم نہیں ہے۔ کوئی پریشانی نہیں۔

بڑے بڑے بادشاہ لوگ اللہ کے ولیوں کو دھمکیاں دیتے تھے۔ مارنے پیٹنے اٹھتے تھے مگر نتیجہ کیا ہوتا تھا کہ خود ہی پٹ پٹا کے برابر ہوگئے۔ یہ اللہ والے ہیں۔ یہ اللہ کی حمایت میں ہیں۔ پوری پشت پناہی حاصل ہے۔ ان پر کوئی غم نہیں ہے۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے فلسفی، بہت بڑے شاعر تھے۔ صوفیوں کے جامع مسجد کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے، نیچے حوض تھا اس کی منڈیر سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔

آج کل تو ہم لوگ مسند پر ٹیک لگاتے ہیں۔

اور ان کے سامنے ان کے طالب علموں کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی اور ایک کتاب حضرت مولانا روم کے سامنے کھلی ہوئی تھی وہ اس کا درس دے رہے

تھے۔ وہ کتاب کسی پریس کی چھپی ہوئی نہیں تھی۔ بلکہ وہ ہاتھ سے لکھی ہوئی ان کی کتاب تھی۔ قلمی نسخہ جس کو حضرت مولانا روم نے ہی تیار کیا تھا۔ وہ سامنے کتاب کھلی ہوئی ہے اور دورے کے طلبہ بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ علم کا دریا بہا رہے ہیں۔ تمام طلبہ سیراب ہو رہے ہیں۔

اتنے میں حضرت شمس تبریز اللہ والے چلتے پھرتے کہیں سے آئے۔ لڑکوں کے اوپر سے کودتے پھاندتے آگئے اور مولانا روم کے بغل میں بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا روم کے سامنے جو کتاب کھلی ہوئی تھی اس کو بڑے ہی غور سے دیکھنے لگے۔ جو کتاب تھی بڑے غور سے اس کا مطالعہ کرنے لگے۔

حضرت شمس تبریز نے مولانا روم سے پوچھا: مولانا یہ کیا ہے؟

کتاب کی طرف اشارہ کر کے پوچھا: کہ یہ کیا ہے؟

تو حضرت مولانا روم فرماتے ہیں: حضرت یہ وہ چیز ہے جسے آپ نہیں جانتے۔

کیوں کہ حضرت شمس تبریز پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ یہ وہ چیز ہے جس کو آپ نہیں جانتے۔

حضرت شمس تبریز سے جب یہ کہا گیا تو انھوں نے کتاب اٹھائی اور کتاب کو اٹھا کر اسے حوض میں ڈال دیا۔ کتاب حوض میں چلی گئی تو یقیناً تباہ و برباد ہو گئی ہوگی۔

مولانا روم کو بڑا غصہ آیا۔ اگر چہ اللہ کے ولی تھے مگر اپنا غصہ ضبط نہ کر سکے۔ کہنے لگے: حضرت! یہ کیا غضب کر دیا؟ میری ساری محنت آپ نے برباد کر دیا۔ قلمی نسخہ میں نے کتنی محنت و مشقت کے ساتھ لکھ کر تیار کیا تھا۔ آپ نے اسے حوض میں ڈال دیا۔ ایک لفظ بھی تو باقی نہ ہوگا۔ زیر و زبر بھی مٹ گئے ہوں گے۔ سارے حروف، ختم ہو گئے ہوں گے۔ آپ نے میری محنت پر پانی پھیر دیا۔

پارا ہے کہ چڑھتا چلا جا رہا ہے۔ جب خوب گرم ہو گئے تو حضرت شمس تبریز

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا دست مبارک حوض میں ڈالا اور حوض کی تہ میں جو کتاب پڑی ہوئی تھی۔ اس کو نکالا اور سامنے مولانا روم کے کھول کے رکھ دیا۔ پانی کا ایک قطرہ نہیں تھا۔ سارے نقطے اپنی جگہ موجود، سب اپنی جگہ موجود۔ پانی نے اس کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔

حضرت مولانا روم کی آنکھوں کا پٹ کھل گیا۔ کہنے لگے: حضرت یہ کیا ہے؟

حضرت شمس تبریز فرماتے ہیں: حضرت یہ وہ ہے جس کو آپ نہیں جانتے۔

اسی لیے تو مولانا روم نے فرمایا:؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم

تا غلام شمس تبریز نہ بود

مولانا روم عالم و فاضل سب کچھ تھے۔ لیکن جب تک کہ شمس تبریز کی غلامی نہ اختیار کر لی اس وقت تک وہ کہتے ہیں: مولانا ہوا ہی نہیں۔

تو معلوم کیا ہوا کہ یہ اللہ والے لوگ ہیں۔ یہ وہ ہیں جو اللہ ورسول سے محبت کرنے والے ہیں۔ تو اللہ ان کو محبوب بناتا ہے مگر کب بناتا ہے؟ یہ بھی سن لیجیے! آیت کریمہ میں نے پڑھی:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ".

اے پیارے رسول یہ دنیا والے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ جب کہ دنیا والے یہ بھی اعلان کرتے ہیں کہ ہم صرف اللہ سے ڈرتے ہیں۔ کسی سے نہیں ڈرتے۔ کسی سے جھگڑا ہو گا تو کہیں گے کہ میں کسی سے نہیں ڈرتا صرف اللہ سے ڈرتا ہوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ وہ اللہ سے نہیں ڈرتا۔ کیوں کہ اللہ سے ڈرتا تو نماز پڑھتا کہ نہیں پڑھتا؟ بتاؤ! ہے کہ نہیں؟

اللہ سے ڈرتا تو اللہ کے حکم پر عمل کرتا۔ نہیں ڈرتا تبھی تو عمل نہیں کرتا۔

یہ جذبات میں آ کے کہہ دینا کہ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ صرف اللہ سے ڈرتا ہوں، اس کی کوئی گارنٹی نہیں۔ کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

تو اللہ فرماتا ہے: اے محبوب! لوگوں سے کہہ دیجیے کہ بڑا لمبا چوڑا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر اللہ سے محبت کرتے ہیں تو "فاتبعونی" میری اتباع کرو۔ میرے نقش قدم پر چلو۔ رسول کی غلامی اختیار کرو۔ اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو جب غلامی اختیار کرو گے تو کیا ہوگا "یحببکم اللہ" تم کو یہ نہیں کہنا پڑے گا کہ میں اللہ سے محبت کرتا ہوں۔ اللہ اعلان فرمائے گا کہ اس سے میں محبت کرتا ہوں ہمیں کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا والوں کو یہ اعلان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈھینڈ ورا پیٹنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں اللہ سے محبت کرتا ہوں۔ اللہ خود اعلان فرمائے گا کہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں اور اللہ کا اعلان اس طرح سے لاؤڈ اسپیکر سے نہیں ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل مائک لے کر کھڑے ہو جائیں۔ یا کوئی فرشتہ مائک لے کے اعلان کرے کہ اللہ اس بندے سے محبت کرتا ہے۔

اللہ کا اعلان تو دل میں ہوتا ہے۔ دل بولتا ہے کہ یہ اللہ والے ہیں۔

حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ ٹرین میں سفر کر رہے ہیں اور دیکھنے والے ان کے قدموں میں گر جاتے ہیں۔ ایمان لے آتے ہیں۔ پکار اٹھتے ہیں: ان کا چہرا دیکھوں اللہ یاد آ جاتا ہے۔

کیا کوئی ان کے پیچھے لگا ہے۔ جو یہ اعلان کرتا ہو کہ یہ اللہ کا ولی جا رہا ہے؟

نہیں۔ کوئی اعلان نہیں۔

ان کے سینہ پر کوئی پمفلیٹ چپکا ہوا ہے؟

کچھ نہیں۔ جس سے اللہ محبت کرے گا تو اللہ کا اعلان لوگوں کے دل میں ہو جائے گا کہ یہ اللہ کا ولی ہے۔ یہ اللہ کا محبوب بندہ ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اجمیر شریف میں تشریف لائے۔
ہندوستان کا کتنا بڑا علاقہ ان کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے والا تھا۔
ایسا تو نہیں تھا کہ وہ اعلان کرواتے ہوں۔ ارے ان کے حرکات وسکنات سے لوگ ان کے گرویدہ اور غلام ہو جاتے۔

حضرت ابوالحسین خرقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار اپنے مرید شہنشاہ وقت محمود غزنوی سے فرمایا: کہ میرے پیر و مرشد حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ وہ تھے کہ اگر کوئی ان کا چہرہ دیکھ لیتا تو ایمان لے آتا۔

تو محمود غزنوی نے کہا: حضور بات سمجھ میں میری نہیں آئی کہ آپ کے پیرو مرشد کو کافر دیکھ لے تو ایمان لے آئے۔

ارے حضور کو تو ابوجہل وغیرہ زندگی بھر دیکھتے رہے ایمان نہیں لائے۔ آپ کہتے ہیں کہ میرے پیر کو کافر دیکھ لے تو ایمان لے آئے۔ یہ کیسی بات ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتی۔

حضرت ابوالحسین خرقانی فرماتے ہیں: ارے سن! ابوجہل نے کب رسول اللہ کو دیکھا تھا۔ اس نے جب بھی دیکھا تو محمد ابن عبداللہ کو دیکھا۔

ان کو دیکھنے والے تو ابوبکر صدیق تھے۔

ان کو دیکھنے والے تو عمر تھے علی تھے۔ ان لوگوں نے محمد رسول اللہ کو دیکھا اور جس نے محمد رسول اللہ کو دیکھا۔ وہ ان کا غلام ہو گیا اور جنھوں نے محمد رسول اللہ کو نہیں۔ محمد ابن عبداللہ کو دیکھا تو وہ کیا ایمان لائے گا؟

تو بتا میں یہ رہا ہوں کہ اللہ جس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو اللہ فرماتا ہے:

"یحببکم اللہ" اللہ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا۔

تو اب ڈھنڈورے پیٹنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ اے لوگو! میں اللہ سے بڑی محبت کرتا ہوں۔ بڑی محبت کرتا ہوں۔ کچھ نہیں کرنے کی ضرورت ہے۔ بس

میرے آقا کی اتباع کرو۔ان کے نقش قدم پر چلو۔ان کا کہا مانو۔نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تم کو اپنا محبوب بنالے گا۔ولایت سے سرفراز کردے گا۔کیوں کہ جتنے اولیائے کرام ہیں۔سب کے سب مومن کامل ہیں۔پرہیزگار ہیں۔بغیر ایمان کامل کے تو ولایت نہیں مل سکتی۔اس کے بعد تقویٰ کامل چاہیے۔ایمان کامل، پھر تقویٰ، بغیر تقویٰ کے کوئی ولی ہوا ہی نہیں۔ولی وہی ہوتا ہے جو متقی کامل ہوتا ہے۔

حضرت غوث اعظم وہ متقی، وہ پرہیزگار کہ ایک مرتبہ ان کی والدہ محترمہ نے کہہ دیا کہ جھوٹ مت بولنا۔

حضرت غوث اعظم سے یہ تو نہیں کہا گیا تھا کہ تمہارے پوستین میں اشرفیاں ہیں۔خبردار تم کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ایک تو اللہ کا محبوب بندہ۔دوسرے رسول کا عشق۔مزید والدہ کا حکم۔نتیجہ کیا ہوا کہ حضرت غوث اعظم نے یہ سارے احکام بجالائے اور پورے زمانۂ طالب علمی میں کبھی بھی ان کا کوئی قدم ایسا نہ اٹھا جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہو۔

طالب علمی کا دور ہے اس کے باوجود آپ کا یہ عالم ہے۔تقویٰ شعار، کتنے کتنے فاقے ہوتے تھے۔بغداد میں کبھی کبھی درخت کی پتیوں پر گزارا ہو رہا ہے۔

آج کی طرح نہیں کہ قرآن خوانی میں چلے جایئے۔مرغ مسلم مل جائیگا۔اس وقت یہ سب دور نہیں تھا۔یہ تو زمانہ بگڑتا گیا تو لوگوں کو ایصال ثواب کے لیے طلبہ کی ضرورت پڑنے لگی۔

لہٰذا طلبہ ہی چلیں اسی لیے میں کہتا ہوں کہ یہ سارے مسلمان ان طالب علموں کے محتاج ہیں۔مرغی ذبح کروانے سے لے کر، مردہ بخشوانے تک۔

مرغا ذبح کروانا ہو تو طالب علم۔مردہ بخشوانا ہو تو طالب علم۔

تو یہ تھے حضرت غوث اعظم۔بڑی مشقت سے پڑھتے تھے۔بڑی دشواریاں جھیلیں۔

حالاں کہ آپ اللہ کے ولی تھے۔ چاہتے تو ولایت کے زور سے عالم و فاضل ہو جاتے۔ آپ نے سنا کہ ماں کے پیٹ میں ہی آدھے قرآن کے حافظ ہو گئے تھے۔ پیدائشی ولی تھے علم لدونی حاصل تھا۔ اس کے باوجود آپ نے تعلیم حاصل کی۔ ٹھوکریں کھائیں۔ فاقے کیے۔

ایک مرتبہ تو یہ عالم ہوا کہ بھوک سے بے چین بغداد کی ایک مسجد میں گئے سوچا دوپہر کا وقت ہے کچھ آرام کروں تو دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھ کر کھانا کھا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ان کو لالچ ہوا کیسے کھا رہا ہے۔ قریب پہنچے اور جا کر اس کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ اگر مجھ کو دیکھے گا تو مسلمان ہے ضرور مجھ کو بلا لے گا اور جیسے ہی مجھ کو بلائے گا۔ میں پہنچ جاؤں گا اور واقعی اس نے بلایا۔ آؤ کھانا کھا لو۔ بھوکے تو تھے ہی کھانے میں شریک ہو گئے۔

جب کھانا ہو گیا تو اس آدمی نے کہا: کہ تم کیا کر رہے ہو؟

انھوں نے کہا: میں طالب علم ہوں۔ میں پڑھتا ہوں۔

کہا: اچھا کس مدرسے میں؟

کہا: مدرسہ نظامیہ میں۔

کہا: اس میں ایک طالب علم اور پڑھتا ہے جیلان کا۔ اس کا عبدالقادر نام ہے۔ اس سے مجھ کو ملنا ہے۔ اس کی ماں نے یہ کھانا دیا تھا۔ یہ کھانا جو ہم لوگوں نے کھایا۔ اس کی ماں نے دیا تھا اور کہا تھا: اس کو میرے بیٹے کے پاس پہنچا دینا۔ اتنی مجھ کو بھوک لگی کہ میں برداشت نہ کر سکا۔ میں نے سوچا لاؤ کھا لوں اور کھانے کے بعد میں معذرت کر لوں گا۔

انھوں نے کہا: میں ہی عبدالقادر ہوں۔

کہنے لگا: تمہارا ہی کھانا تھا۔ اب بتاؤ میں کیا کروں۔

حضرت غوث اعظم فرماتے ہیں: میں سمجھ رہا تھا آپ میزبان ہیں۔ اب سمجھ

میں آیا کہ میں میزبان ہوں آپ مہمان ہیں۔
یہ تھا ان کا دور طالب علمی۔ کتنی مشقتیں اٹھائیں۔ تب جا کر کے حضرت غوث اعظم کو علم وفضل کی دستار ملی ہے۔
تو حضرت غوث اعظم کا مرتبہ بڑا عظیم ہے۔ اسی لیے حضرت آسی فرماتے ہیں:

پوچھتے کیا ہو شہ جیلاں کے فضائل آسی
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

وہی غوث اعظم ہیں کہ زبان سے جب بات نکلتی تو اتنا دل میں اثر کرتی۔ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جاتی۔ اسی لیے ان کے وعظ کی محفلوں میں اسی ہزار نوے ہزار لوگوں کا مجمع ہوتا۔ جب وہ بولتے تو دور ونزدیک کے فرد کو برابر سنائی دیتا۔ یہ عظمت تھی حضرت غوث اعظم کی۔
ایک مرتبہ ان کے صاحبزادے فلسفہ وغیرہ کی کتابیں پڑھ کر آئے تو غوث اعظم نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: کہ بیٹا آج تم وعظ کہنا۔ تو انھوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ میں وعظ کہوں گا۔ اب وہ بیٹھ گئے کرسی خطابت پر تو مجمع اسی ہزار کا لگا ہوا تھا تو انھوں نے دھواں دھار تقریر شروع کر دی۔
منطق، فلسفہ، عقلی دلائل، نقلی دلائل، مگر مجمع چپ چاپ بیٹھا ہوا ہے۔ نہ ہاں نہ ہوں۔ معلوم ہو رہا ہے جیسے ساری باتیں سر سے باؤنسر ہو رہی ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ کوئی اثر نہیں ان کی تقریر کا۔ جب وہ تقریر کر چکے تو مجمع نے سانس لی کہ چلو چھٹی ہوئی۔ اب حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھتے ہیں۔
میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ اصل چیز ہے ولیوں کی زبان۔
حضرت غوث اعظم کرسی خطابت پر بیٹھے اور فرمایا: کہ اے لوگو! آج ایک عجیب واقعہ ہوا۔ میرے گھر میں شیشہ پر دودھ رکھا ہوا تھا۔ اتنے میں بلی آئی اور وہ جھپٹ پڑی اور وہ شیشہ ٹوٹ گیا اور دودھ سارا بہہ گیا۔

ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ پورا مجمع اٹھ کھڑا ہوا۔ نہ جانے کون سا درد ان کی زبان میں تھا کہ جسے سنتے ہی پورے مجمع پر عالم وجد و کیف طاری ہو گیا۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

محترم حاضرین کرام! اولیائے کرام کو یہ مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے عطا فرمایا کہ ان لوگوں نے محبت رسول میں اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ گزارا اور ان کا جو قدم اٹھتا اطاعت رسول میں اٹھتا تھا اور یہی ان لوگوں کی درجات کی بلندی کا راز ہے۔

وہ شخص اللہ کا ولی ہو ہی نہیں سکتا جو اطاعت رسول نہ کرتا ہو اور شریعت مصطفیٰ کے خلاف عمل کرتا ہو۔ اگر چہ کتنے ہی کمالات دکھائے۔ ہوا میں اڑے۔ مٹی کو سونا بنا دے۔ پھر بھی وہ اللہ کا محبوب نہیں اور نہ وہ ولی ہے۔

ولایت بغیر اطاعت رسول کے حاصل نہیں ہو سکتی اور جب کوئی اطاعت رسول کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور درجۂ ولایت پر فائز کر دیتا ہے۔

محترم حاضرین کرام! ایک بار ایک آدمی کو یہ شوق ہوا کہ میں مرید ہوں گا تو کسی اللہ کے ولی سے مرید ہوں گا۔ ایسا ولی جو ہواؤں میں اڑ کے دکھائے۔ جو مٹی سے روپیہ پیسہ بنا دے۔ یعنی ایسا ولی جو با کرامت ہو۔

چنانچہ وہ ایسے پیر کی تلاش میں در بدر کی ٹھوکریں کھاتا رہا با کرامت ولی کی جستجو اور تلاش میں ڈگر ڈگر، نگر نگر، قریہ قریہ گھومتا رہا مگر اسے کہیں با کرامت ولی نہ ملا۔ اس سے ایک آدمی نے کہا کہ اگر ولی ہی کی تلاش ہے اور تم ولی سے ہی مرید ہونا چاہتے ہو تو بغداد چلے جاؤ۔ وہاں ایک با کرامت ولی ہیں۔ جن کا نام حضرت جنید بغدادی ہے۔ وہ ایسے ولی ہیں کہ قدم قدم پر ان سے کرامتوں کا ظہور ہوتا ہے۔

چنانچہ وہ شخص بغداد آیا۔ اور حضرت جنید بغدادی کی خانقاہ میں مقیم ہو گیا۔ دن و رات اس انتظار میں رہتا کہ حضرت سے کوئی کرامت صادر ہو جائے اور میں

حضرت کا مرید ہو جاؤں۔
غرض وہ ہر دم حضرت جنید بغدادی کی حرکات وسکنات کا جائزہ لیتا رہا۔ رات کی تاریکیوں میں دیکھتا۔ دن کے اجالوں میں مشاہدہ کرتا۔ اس انتظار میں رہتا کہ حضرت اب ہواؤں میں اڑے۔ تب ہواؤں میں اڑے۔ حضرت اب مٹی کو سونا بنادیں گے۔
غرض اسی طرح چھ مہینے کا عرصہ گزر گیا اور اسے حضرت جنید بغدادی کی کوئی کرامت نظر نہ آئی۔ اس نے سوچا کہ اگر یہ ولی ہوتے تو کرامتوں کا ظہور ضرور ہوتا۔
چنانچہ وہ مایوس ہو کر حضرت جنید بغدادی کے پاس حاضر ہوا اور کہا: حضرت اب میں واپس جانا چاہتا ہوں۔ مجھے اجازت دے دیجیے۔
حضرت جنید بغدادی نے ارشاد فرمایا: اے بھائی تم میری خانقاہ میں آئے کیوں تھے؟ اور جا کیوں رہے ہو؟
اس نے کہا: میں اس لیے آیا تھا تا کہ آپ سے مرید ہو جاؤں۔
حضرت نے پوچھا: پھر مرید کیوں نہ ہوئے؟
اس نے کہا: حضور میں نے عہد کیا ہے کہ میں جب بھی مرید ہوں گا تو کسی اللہ کے ولی سے ہوں گا۔
چنانچہ میں نے چھ مہینے تک لگاتار دن ورات اس بات کا انتظار کرتا رہا کہ آپ سے کوئی کرامت ظاہر ہو۔ تا کہ میں آپ سے مرید ہو جاؤں۔ میں نے دن کے اجالے میں دیکھا رات کی تاریکیوں میں دیکھا مگر اس عرصہ میں آپ سے ایک کرامت بھی ظاہر نہ ہوئی۔
حضرت جنید بغدادی نے فرمایا: کہ تم نے چھ مہینے تک میرے شب و روز کا جائزہ لیا۔ مجھے بتاؤ کہ کیا میرا کوئی قدم شریعت مصطفیٰ کے خلاف اٹھا؟ کیا میں نے کوئی ایسا کام کیا جو اطاعت رسول کے خلاف ہو؟
کیا تم نے کوئی ایسی حرکت دیکھی جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے

مطابق نہ ہو؟

اس نے عرض کیا: حضور میں نے دن ورات آپ کی حرکات وسکنات کا مشاہدہ کیا۔ لیکن آپ کا ہر ہر لمحہ اطاعت رسول کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ آپ کا ہر ہر قدم شریعت مصطفیٰ کے مطابق تھا۔

حضرت جنید بغدادی نے ارشاد فرمایا: کہ اے بیوقوف! ولایت اور کس کو کہتے ہیں؟ ولی وہی ہے جو شریعت مصطفیٰ پر گامزن ہو۔ جس کا ہر ہر قدم حضور کے اسوۂ حسنہ کے مطابق اٹھے۔

ولایت ہوا میں اڑنے کا نام نہیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ولی اور اللہ کا محبوب وہی ہے جو شریعت مصطفیٰ کے مطابق زندگی گزارے۔ جس کا ہر ہر لمحہ اتباع رسول میں بسر ہوتا ہو۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ اپنا محبوب بناتا ہے اور یہی لوگ "فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ" کی تفسیر ہوتے ہیں۔

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

⌘

فاتح اعظم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْم. اَمَّابَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

"اِنَّا فَتَحْنَالَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا"

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْاَمِیْنُ الْمَکِیْنُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

وہ ادائے دلبری ہو یا نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

محترم حضرات! آیئے ہم اور آپ خلوص ومحبت کے ساتھ بارگاہ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیہ درود پیش کریں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ......

محترم حضرات! جب ہم تاریخ عالم کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں بہادر انسانوں کا نام تاریخ کے صفحات پر ملتا ہے۔ جنھوں نے اپنی بہادری اور شجاعت سے، اپنی عقل اور ہوش وخرد کے بلبوتے پر ایسے ایسے انقلاب برپا کیے جن کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ یہ وہ بہادر لوگ تھے جنہوں نے دنیا کی سرزمین پر اپنی حکومتیں قائم کیں اور بڑے بڑے ممالک فتح کرکے اپنی برتری کا لوہا منوالیا۔

تاریخ کے صفحات پر چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کا نام فاتح اعظم کی حیثیت سے لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح یونان کے شہنشاہ سکندر اعظم کو بھی فاتح اعظم کی حیثیت

سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ ان فاتحین عالم نے بڑے بڑے ممالک فتح کیے۔ جغرافیہ کے نقشے میں تبدیلیاں کیں اور اپنی برتری کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھا دیا۔
لیکن اب آیئے میں ایک ایسے فاتح کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ جنھوں نے صرف دنیا ہی میں نہیں انقلاب برپا کیا بلکہ دل کی دنیا میں بھی انقلاب پیدا کیا۔ جس کے فتح کا پرچم صرف زمین پر نہیں بلکہ دل کی سرزمین پر بھی لہرا رہا ہے۔ یہ وہ فاتح ہے جس کے بارے میں خداوند قدوس خود ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا"

یعنی اے محبوب ہم نے آپ کو فتح عظیم سے سرفراز فرمایا۔

یہ وہ آیت کریمہ ہے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی۔ یہ وہ صلح تھی جس کو خود صحابۂ کرام مسلمانوں کی شکست محسوس کرتے تھے۔ لیکن رب تبارک وتعالیٰ نے اس صلح کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا۔

محترم حاضرین! اب آیئے میں صلح حدیبیہ کے واقعہ پر تھوڑی روشنی ڈالتا چلوں اور بتاتا چلوں کہ اپنوں نے نہیں بلکہ غیروں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا کہ حضور نے صرف علاقہ ہی فتح نہیں کیے بلکہ لوگوں کے دل ودماغ پر بھی اپنی فتح کا پرچم لہرایا اور دشمنان اسلام بھی بے ساختہ پکار اٹھے: ؎

وہ ادائے دل بری ہو یا نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

محترم حاضرین! ہمارے آقا ومولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمرہ ادا کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے شوق میں حضرات صحابۂ کرام حضور کے ساتھ شریک سفر ہوئے۔ یہاں تک کہ تیرہ چودہ سو صحابۂ کرام کا قافلہ تیار ہوگیا۔ ہمارے آقا ان چودہ سو صحابۂ کرام کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ کے

قریب حدیبیہ کے مقام تک پہنچ گئے کہ مشرکین مکہ نے آگے بڑھ کر حضور کا راستہ روک لیا اور کہا: ہم آپ کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ آپ یہاں سے واپس چلے جائیے۔

حضور نے ارشاد فرمایا: اے مکہ والو! میں عمرہ کرنے کے لیے آیا ہوں۔ جنگ کے لیے نہیں۔ اس لیے مجھے مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دے دو۔ مگر مشرکین مکہ اس بات پر تیار نہیں ہوئے۔ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا اور مشرکین مکہ سے صلح وصفائی کی گفتگو کرتے رہے۔

حضرت عمر فاروق نے عرض کی: یا رسول اللہ! آج ہم اتنی بڑی تعداد میں ہیں۔ ہمارے ساتھ اتنی بڑی طاقت ہے۔ لہٰذا مشرکین مکہ سے صلح وصفائی کی گفتگو کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ چلئے آگے بڑھئے، اگر کوئی رکاوٹ ہوگی تو ہم اپنی تلواروں سے اسے دور کردیں گے۔ آج مکہ والوں میں نہ حوصلہ ہے نہ طاقت، کہ وہ ہمیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیں۔

مگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر! ہم لوگ عمرہ کرنے آئے ہیں جنگ کرنے نہیں۔ اس لیے ہم صلح وامن کی گفتگو کریں گے۔

ادھر مکہ کے رئیسوں نے بڑے بڑے سرداروں کی ایک میٹنگ بلائی اور اس میں طے کیا کہ ایک جہاندیدہ آدمی حدیبیہ جاکر محمد بن عبداللہ کے ساتھیوں کا جائزہ لے اور یہ دیکھے کہ ان کے پاس اسلحے کیسے ہیں؟ ان کی تعداد کتنی ہے؟ اور ہمیں آکر بتائے کہ محمد ابن عبداللہ سے جنگ کرنا بہتر ہوگا یا صلح کرنا؟ اس کام کے لیے سب سے تجربہ کار جہاندیدہ سیاست داں عروہ بن مسعود ثقفی کا انتخاب کیا گیا اور انہیں مشرکین مکہ نے حدیبیہ بھیجا۔

عروہ بن مسعود ثقفی نے حدیبیہ میں آکر مسلمانوں کی طاقت اور ان کی تعداد کا جائزہ لیا اور پھر اس جگہ پہنچے جہاں ہمارے آقا تشریف فرما تھے۔ عروہ بن

مسعود ثقفی نے دیکھا کہ حضور جب گفتگو کرتے ہیں تو صحابہؓ کرام کا مجمع سر جھکا کر ایسے خاموش ہو جاتا جیسے معلوم ہوتا کہ ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہے۔ کہ اگر حرکت کریں گے تو اڑ جائے گا۔

عروہ بن مسعود ثقفی نے دیکھا کہ اگر حضور لعاب دہن پھینکتے ہیں تو وہ زمین پر گرنے نہیں پاتا لوگ اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے، چہروں پر ملتے، سینوں پر لگاتے۔

عروہ بن مسعود ثقفی نے دیکھا کہ حضور جب وضو فرماتے ہیں تو وضو کا ایک قطرہ پانی بھی زمین پر گرنے نہیں پاتا، صحابہؓ کرام اس پر ٹوٹ پڑتے۔ کوئی ہاتھوں میں لے کر چہرہ پر مل رہا ہے۔ کوئی سینہ پر مل رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا کہ اس پانی کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے جنگ ہو جائے گی۔

جب عروہ بن مسعود ثقفی، صحابہؓ کرام کی یہ جانثاری اور حضور سے عشق و محبت کے یہ مناظر دیکھ کر مکہ مکرمہ واپس آئے تو مکہ کے رئیسوں نے پوچھا: اے عروہ !تم نے کیا دیکھا؟ محمد بن عبداللہ کے ساتھ کیسے لوگ ہیں؟ بتاؤ ان کے ساتھ صلح کرنا بہتر ہوگا یا جنگ کرنا؟

تو عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا: اے مکہ کے لوگوں! میں نے روم کے بادشاہ قیصر کا دربار دیکھا ہے۔ میں نے ایران کے بادشاہ کسریٰ کا بھی شاہی دربار دیکھا ہے۔ میں نے حبشہ کے نجاشی بادشاہ کا بھی دربار دیکھا ہے۔ مگر سن لو کہ جو شان وشوکت اور جو عظمت و رفعت محمد بن عبداللہ کے دربار میں دیکھی وہ شان وشوکت نہ کسریٰ کے دربار میں نظر آئی نہ قیصر کے دربار میں اور نہ نجاشی کے دربار میں نظر آئی۔

میں نے دیکھا کہ محمد بن عبداللہ جب بات کرتے ہیں تو لوگ ایسے ساکت وجامد ہو جاتے ہیں گویا ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہو کہ اگر حرکت کریں گے تو اڑ جائے گا۔

میں نے دیکھا کہ محمد بن عبداللہ لعاب دہن پھینکتے ہیں تو وہ زمین پر گرنے نہیں پاتا، ان کے جانثار ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں، کوئی چہرہ پر لگاتا ہے، کوئی آنکھوں پر ملتا ہے۔

میں نے دیکھا کہ محمد ابن عبداللہ جب وضو کرتے ہیں تو وضو کے پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں پاتا۔ لوگ اس کو حاصل کرنے کے لیے اس پانی پر ایسے ٹوٹ پڑتے ہیں جیسے جنگ ہو جائے گی۔ اس پانی کو کوئی چہرہ پر مل رہا ہے، کوئی سینہ پر لگا رہا ہے۔ اگر کسی کو نہیں مل پاتا تو وہ دوسروں کے ہاتھوں سے وہ تری لے کر اپنے چہروں پر مل لیتا۔

اے مکہ والو! اب تم ہی بتاؤ کہ جو قوم اپنے آقا کے جسم سے جدا ہونے والا پانی کا ایک قطرہ زمین پر گرنے نہیں دیتی۔ وہ اپنے آقا کا خون زمین پر کیسے گرنے دے گی؟

اے مکہ والو! سنو جنگ انسانوں سے لڑی جاتی ہے۔ دیوانوں سے نہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے اردگرد انسانوں کا جم غفیر نہیں بلکہ دیوانوں کا جم غفیر دیکھا ہے۔ اس لیے اے مکہ والو! محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے صلح کر لو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ کیونکہ محمد وہ ہیں جنہوں نے ان دیوانوں کا دل فتح کر لیا ہے جو انسانوں کا دل فتح کر لے وہی فاتح زمانہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے پیارے رسول! ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی ہے۔ ہم نے آپ کو فاتح اعظم بنایا۔ دنیا کے فاتحین زمین کا ایک ٹکڑا جیتا کرتے ہیں مگر میرا رسول انسانوں کا دل جیتتا ہے۔ دنیا کے فاتحین ایک ملک میں انقلاب لاتے ہیں مگر میرا رسول دل کی دنیا میں انقلاب برپا کرتا ہے۔ دنیا کے فاتحین جب کوئی ملک جیتتے ہیں تو خون کی ندیاں بہا دیتے ہیں مگر ہمارے رسول جب کوئی ملک فتح کرتے ہیں تو لوگوں کو زندگی کا پیغام دیتے ہیں۔ امن وسکون

کی فضا قائم کرتے ہیں اور لٹی ہوئی انسانیت کو زندگی کا حوصلہ عطا فرماتے ہیں۔
تاریخ یہ بتاتی ہے کہ چنگیز خاں جب کوئی ملک فتح کرتا تو انسانوں کی لاشوں پر دستر خوان بچھا کر جشن فتح منایا کرتا تھا۔شراب وکباب کی محفلیں سجائی جاتی تھیں۔انسانوں کے سروں کا مینار تعمیر کیا کرتا تھا۔
اسی طرح ہلاکو خاں جب کوئی ملک فتح کرتا تو بچوں کو بھی تہ تیغ کر دیتا تھا۔
تاریخ ہند ہمیں یہ بتاتی ہے کہ نادر شاہ درّانی نے جب دلّی فتح کیا تو دلّی کی گلیوں میں انسانوں کے خون کی ندیاں بہنے لگیں۔مگر آیئے سرور عالم فاتح اعظم کا وہ منظر بھی دیکھئے کہ جب میرے آقا نے ایک لشکر جرار لے کر فاتح کی حیثیت سے مکہ کی سرزمین پر قدم رکھا تو نہ نیزے بلند کیے گئے، نہ تیروں کی بارش کی گئی، نہ تلواروں کی جھنکار سے لوگ لرزہ براندام ہوئے، نہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین کا سینہ دہلا۔اس کے بجائے رحمت عالم لوگوں کو زندگی کا پیغام سناتے جارہے ہیں۔
حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جانثاروں کے ساتھ فاتحانہ شان وشوکت کے ساتھ مکہ میں داخل ہورہے ہیں۔لیکن فتح وکامرانی کے نشے میں چور ہونے کے بجائے تواضع اور انکساری کے پیکر بنے ہوئے ہیں۔نگاہیں نیچی ہیں، سر جھکا ہوا ہے، جیسے ہی مکہ میں داخل ہوئے، ایک پہاڑی کی چوٹی پر جناب ابوسفیان کھڑے ہوکر شان وشوکت کا نظارہ کررہے ہیں کہ اچانک حضور کے ایک جانثار، حضرت سعد ابن عبادہ جن کو حضور نے جھنڈا عطا فرمایا تھا ان کی نظر ابوسفیان پر پڑی۔حضرت سعد ابن عبادہ کا ان کو دیکھتے ہی خون کھول اٹھا کیونکہ ابوسفیان حضور کے خلاف ہر محاذ پر موجود رہتے اور حضور کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے تھے۔
مسلمانوں کے جانی دشمن ان کے خون کے پیاسے۔ان کو دیکھتے ہی سعد بن عبادہ نے کہا: ''اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمُلْحِمَۃ، اَلْیَوْمُ تُسْتَحِلُّ الْکَعْبَۃ''

آج کا دن انتقام لینے کا دن ہے۔
آج کا دن خانۂ کعبہ میں مشرکوں کا خون حلال ہونے کا دن ہے۔
آج خانۂ کعبہ میں مشرکوں کے خون ریزی کا دن ہے۔
اتنا سننا تھا کہ ابوسفیان تھرا اٹھے ان کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ دوڑتے ہوئے آقائے کائنات کے پاس آئے اور کہنے لگے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیکھئے سعد بن عبادہ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ کہہ رہے ہیں: آج انتقام لینے کا دن ہے۔ آج خانۂ کعبہ کو خون ریزی کے لیے حلال کر دیا جائے گا۔
اتنا سننا تھا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں نہیں۔
"اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃْ.. اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃْ"
آج کا دن رحم وکرم کی بارش برسانے کا دن ہے۔
آج کا دن اخلاق ومحبت کے اظہار کا دن ہے۔
آج کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا۔
آج محبت واخوت کے اظہار کا دن ہے۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سعد بن عبادہ سے جھنڈا لے کر ان کے صاحب زادے کو دے دیا جائے۔
پھر اعلان فرمایا: جو اپنی تلوار پھینک دے اس کو امان ہے۔
جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کو امان ہے۔
جو خانۂ کعبہ میں چلا جائے اس کو بھی امان ہے۔
جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے اس کو بھی امان ہے۔
میرے رسول وہ فاتح ہیں، جنہوں نے صرف مکہ ہی فتح نہ کیا، بلکہ مکہ والوں کا دل جیت لیا۔
اسی لیے تو ارشاد فرمایا گیا: "اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا"

لوگ تلوار کی زور سے طاقت کے بلبوتے پر علاقے فتح کرتے ہیں مگر ہمارے رسول محبت کی طاقت سے لوگوں کا دل جیتتے ہیں۔ لوہے کی تلوار چلتی ہے تو دشمن کی گردن کٹتی ہے کافر کٹتا ہے لیکن جب میرے رسول نے محبت کی تلوار چلائی تو دشمن کی گردن نہیں بلکہ دشمنی کی جڑ کٹ گئی۔ کافر نہیں کٹا بلکہ کفر کی دھجیاں فضا میں بکھر گئیں۔

محترم حاضرین کرام! مکہ فتح ہونے کے بعد جب خانۂ کعبہ پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ جب ہر طرف امن وسکون کی فضا قائم ہوگئی۔ جب دشمنان اسلام اور دشمنان رسول کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ ہمیں زندگی کا پروانہ مل گیا۔ اب ہم سے کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا تو سب مشرکین مکہ حضور کے روبرو مجرموں کی طرح حاضر ہوئے۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور تمام مشرکین ہاتھ باندھے آپ کے روبرو کھڑے ہیں۔ حضور کے اخلاق کریمانہ سے شرمندہ نظر آرہے ہیں۔ ان لوگوں میں وہ بھی ہیں جنہوں نے حضور کی راہوں میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی ہیں جنہوں نے آپ پر پتھروں کی بارش کی تھی۔ وہ بھی ہیں جنہوں نے حضور کو طرح طرح کی اذیتوں سے دوچار کیا تھا۔

یہ وہ مجرمین تھے جنہوں نے حضور کا جینا دوبھر کر رکھا تھا، جن کی وجہ سے میرے آقا کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا، اگر میرے آقا ان سب کو تہہ تیغ کر دیتے یا ان کی کھالیں کھنچوا لیتے تب بھی بیجا نہ ہوتا۔

مگر میرے آقا نے ارشاد فرمایا: اے مکہ والو! بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ تمہیں کون سی سزا دی جائے؟۔

مکہ والے جان رہے تھے کہ یہ تو رحمت عالم بن کر آئے ہیں، رحم وکرم کی شمع روشن فرمانے آئے ہیں۔

تمام مشرکین مکہ بیک زبان بول اٹھے:

''اَنتَ کَرِیمٌ وابنُ اخٍ کریمٍ'' اے اللہ کے پیارے رسول آپ تو رحم وکرم کے پیکر ہیں، آپ رحیم وکریم بھائی کے بیٹے ہیں، آپ سے ہمیں صرف رحم وکرم کی امید ہے۔

اتنا سننا تھا کہ میرے آقا پکار اٹھے:

''لَاتَثرِیبَ عَلَیکُمُ الیَومْ'' آج تم سے کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا۔

''اِذْهَبُوا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ'' جاؤ تم سب آزاد ہو۔

ادھر حضور کی جانب سے آزادی کا پروانہ عطا کیا گیا اور ادھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب اسلام میں داخل ہونے لگے۔ سارا مکہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ سب حضور کی غلامی میں آگئے اور اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا''.

اے پیارے رسول! جب اللہ کی جانب سے فتح اور مدد آگئی اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو اے پیارے رسول اپنے رب کی حمد وتسبیح بیان کیجیے اور اس سے مغفرت طلب کیجیے، بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

حضرات گرامی! یہ رسول ہی کی محبت تھی جس کی وجہ سے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بن گئے۔ مکہ کے وہ لوگ جنھوں نے آپ کی راہوں میں کانٹے بچھائے تھے۔ جنہوں نے آپ کے اوپر پتھروں کی بارش کی تھی۔ جنھوں نے آپ کو مجنوں اور پاگل کہا تھا۔ وہ لوگ رسول کے ایسے جانثار ہوئے کہ ان کے حکم پر اپنی گردنیں کٹا دیں۔ اپنے مال ودولت نچھاور کر دیئے۔ اور پکار اٹھے: یارسول اللہ! روئے زمین پر آپ سے زیادہ پسندیدہ کوئی شخصیت نہیں۔ آپ پر

ہماراتن من دھن سب کچھ قربان ہے۔

محترم حضرات! غزوۂ حنین کے موقعہ پر جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور بہت زیادہ مال غنیمت ہاتھ آیا تو میرے آقا و مولی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب دل کھول کر مکہ والوں کو مال غنیمت عطا فرمایا۔ کسی کو سو اونٹ، کسی کو دو سو اونٹ، کسی کو سو بکریاں تو کسی کو دو سو بکریاں، کسی کو ہیرے جواہرات عطا فرمائے۔ مگر مدینہ والوں کو کچھ نہ عطا فرمایا۔

اس پر مدینہ کے چند نوجوانوں نے کہا: کہ جب جنگ ہوتی ہے تو ہمیں آواز دی جاتی ہے، ہمیں بلایا جاتا ہے۔ آج بھی ہماری تلواروں کی نوک سے دشمنان اسلام کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ آج بھی ہماری تلواروں کی جھنکار سے کفر و شرک لرزہ براندام ہے اور آج جب مال غنیمت تقسیم کرنے کا وقت آیا تو سب مکہ والوں کو دے دیا گیا، ہمیں کچھ عطا نہ فرمایا گیا۔

جب مدینہ مکرمہ کے نوجوانوں کی یہ باتیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گوشۂ اقدس تک پہنچی تو حضور کو سخت تکلیف ہوئی آپ نے ارشاد فرمایا: میدان میں ایک خیمہ لگایا جائے اور اس خیمہ میں تمام مدینہ کے لوگ آجائیں، مدینہ والوں کے علاوہ کوئی اس خیمہ میں نہ آئے۔

آپ کے حکم کے مطابق میدان میں خیمہ نصب کر دیا گیا۔ تمام مدینہ کے انصار اس خیمہ میں جمع ہو گئے۔ آپس میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ یا اللہ کیا بات ہے؟ کیا معاملہ ہے کہ صرف ہمیں بلایا گیا ہے؟ سب کے دل لرز رہے ہیں۔ ذہن و فکر میں عجیب و غریب خیالات آرہے ہیں کہ اتنے میں آفتاب ہدایت ماہتاب نبوت اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔

ہر طرف خاموشی طاری ہے۔ پورا مجمع گوش بر آواز ہے کہ اتنے میں میرے آقا نے ارشاد فرمایا: اے انصاریو! یہ میں کیا سن رہا ہوں؟

میں نے سنا ہے کہ تم لوگ کہہ رہے ہو کہ جب جنگ ہوتی ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور جب میدان کارزار گرم ہوتا ہے تو ہمیں آواز دی جاتی ہے اور جب مال غنیمت بانٹنے کی بات آئی تو سب کا سب مکے والوں کو دیدیا گیا۔ کیا تم لوگ ایسا کہتے ہو؟

کچھ بزرگ انصار کھڑے ہوئے اور بہت عاجزانہ انداز میں عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بات ضرور کہی گئی ہے، لیکن ہم میں سے ہوش مند نے نہیں کہی ہے، بلکہ کچھ نوجوانوں نے جذبات میں آکر ناسمجھی میں یہ باتیں کہہ دی ہیں۔

یارسول اللہ! انھیں معاف فرمادیا جائے۔ انھیں درگزر فرمادیا جائے۔

میرے آقا و مولیٰ نے پورے جلال کے ساتھ ارشاد فرمایا:

"کنتم ضالاً فاھدٰکُم اللہُ بِیْ".

اے مدینہ والو! تم لوگ گمراہ تھے، ادھر ادھر بھٹک رہے تھے۔ اللہ نے مجھے بھیج کر میرے وسیلے سے تمھیں ہدایت دیدی۔ کیا یہ میرا احسان نہیں ہے؟

تمام انصار پکار اٹھے: یارسول اللہ! یہ سب آپ کا احسان ہے آپ کا کرم ہے۔ لوگ روئے جارہے ہیں، معافی مانگے جارہے ہیں، لوگوں کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں۔

میرے آقا نے ارشاد فرمایا:

"کنتم عالۃً فاغنی کم اللہُ بی".

اے مدینہ والو! تم لوگ غریب تھے، نادار تھے، اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بھیج کر میرے وسیلے سے تمھیں غنی اور مالدار بنایا۔ بولو کیا یہ میرا تم پر احسان نہیں ہے؟

سب مدینہ والے رو رو کر عرض کر رہے ہیں: یارسول اللہ! یہ سب آپ کا احسان ہے، ہم سب کو معاف فرمادیا جائے۔

میرے آقا نے ارشاد فرمایا:

"کنتم مُتفرِّقِینَ فَاَلَّفَ بَیْنَ قلوبِکُمْ اللّٰہُ بِیْ"

تم لوگ آپس میں باہم دست وگریباں تھے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اللہ نے مجھ کو بھیج کر تم کو آپس میں شیر وشکر کردیا، ایک دوسرے کا مونس وغمخوار بنادیا، کیا یہ میرا تم پر احسان نہیں ہے؟

تمام انصار پکار اٹھے: یارسول اللہ! یہ سب آپ کی کرم نوازی ہے، آپ کا احسان عظیم ہے۔ تمام انصار رو رہے ہیں، سسک رہے ہیں، آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہورہی ہے۔

میرے آقا کو انصار کی یہ کیفیت دیکھ کر پیار آگیا، دریائے کرم جوش میں آگیا۔

ارشاد فرماتے ہیں: اے انصاریو! رو کیوں رہے ہو؟ تم بھی پلٹ کر یہ جواب کیوں نہیں دیتے کہ یارسول اللہ! جب مکہ والوں نے آپ کو نکالا تھا تو ہم نے آپ کو پناہ دی۔ کیا یہ ہمارا احسان نہیں ہے۔

جب سارے لوگوں نے آپ کو جھٹلایا تو ہم نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے۔ کیا یہ ہمارا احسان نہیں ہے۔

اور جب بے سروسامانی کے عالم میں تشریف لائے تو ہم نے آپ کی ہر طرح سے مدد کی۔ کیا یہ ہمارا احسان نہیں ہے؟

اے انصاریو! تم لوگ یہ کیوں نہیں کہتے؟

تمام انصار پکار اٹھے: نہیں نہیں یارسول اللہ! جو کچھ ہے یہ سب آپ کا ہی احسان ہے۔

آپ آئے تو یثرب مدینۃ النبی بن گیا۔

آپ آئے تو اللہ نے ہمیں مال ودولت سے مالا مال فرمایا۔

آپ آئے تو ہمیں جنت کی راہ مل گئی یہ سب آپ کا کرم ہے۔ آپ کا احسان ہے۔

میرے آقا نے ارشاد فرمایا: اے انصاریو! تم سے ایک بات پوچھتا ہوں تم اس کا جواب دو۔

اے انصاریو! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ مکہ والے جب اپنے گھر جائیں اپنے بال بچوں میں جائیں تو بھیڑ بکریاں لے کر جائیں، دینار و درہم لے کر جائیں، اونٹ اور اونٹنیاں لے کر جائیں۔ اور جب تم اپنے گھر جاؤ، اپنے بال بچوں میں جاؤ تو اپنے ساتھ محمد رسول اللہ کو لے کر جاؤ۔

یہ سن کر تمام انصار پکار اٹھے: یا رسول اللہ! ہمیں نہ دینار و درہم چاہیے، نہ بھیڑ بکریاں چاہیے، ہمیں تو صرف اللہ کا رسول چاہیے۔

ہمیں کرنی ہے شہنشاہ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہوگئے تو رحمت پروردگار اپنی

اللہ اللہ! اس قدر جانثاری اور یہ جذبۂ ایثار و قربانی ان مدینہ والوں کے دلوں میں پیدا ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حقانیت اور اپنی محبت و کرم فرمائیوں سے ان کا دل فتح کر لیا تھا۔ لوگوں کے دلوں پر آپ کی حکمرانی تھی۔

"اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا"

حضور کی دلوں کو فتح کرنے کی ایسی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے قائدین، رہنما اور ریفارمرسے عقیدت و محبت کرنے والے اور اپنی جانثاری کا دم بھرنے والے اپنے آقاؤں کے پسینے کی جگہ خون بہانے کا دعویٰ کرنے والے دنیا میں بہت گذرے ہیں لیکن جب ان قائدین پر برا وقت آیا اور ان رہنماؤں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا سوال آیا تو ان کے ماننے والوں اور ان کے جانثاروں نے ان کا ساتھ ایسے چھوڑ دیا جیسے کہ کبھی کی جان پہچان ہی نہ ہو۔

کیا آپ کونہیں معلوم کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم جوان کی بڑی جانثار اور فدا کار تھی۔ لیکن جب حضرت موسیٰ نے ان سے کہا کہ اللہ کا حکم ہے کہ ہم بے دینوں اور فرعونیوں سے جنگ کریں۔ چلو ہمارے ساتھ میدان جنگ میں اپنی ایثار وقربانی کی مثال پیش کرنے تو ان نام نہاد جانثاروں نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ اے اللہ کے نبی جایئے آپ اور آپ کا اللہ جنگ کریں ہم یہیں پہاڑی پر بیٹھ کر تماشہ دیکھیں گے۔

غور فرمایئے! جب ایک نبی کے ماننے والوں کا یہ حال ہے تو غیر نبی کے ماننے والوں کا کیا حال ہوگا؟

محترم حاضرین! اب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جانثاروں کی تاریخ پر ایک نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ان جانثاروں کا کیا حال ہے۔

حضور کے جانثار غلاموں کا حال یہ ہے کہ حضور کی ایک آواز پر سر سے کفن باندھ کر میدان جہاد میں کود پڑتے اور جام شہادت نوش فرمالیتے۔ انہیں غلاموں میں ایک غلام حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ عیسائیوں کے ساتھ ایک جنگ میں آپ گرفتار ہوگئے۔ انہیں عیسائی فوج اپنے ساتھ اپنے ملک لے گئی اور ان کے لیے پھانسی کا پھندہ تیار کیا گیا اور ان کو لے کر تختۂ دار کے پاس پہنچے۔ گلے میں پھانسی کا پھندہ ڈال دیا گیا۔ تب شہنشاہ وقت نے حضرت خبیب سے کہا: کہ اے خبیب! کیا تم یہ پسند کروگے کہ تمہیں آزاد کر دیا جائے اور تمہاری جگہ تمہارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پھانسی دے دی جائے۔

اتنا سننا تھا کہ حضرت خبیب تڑپ اٹھے، چہرہ سرخ ہوگیا اور آنکھوں سے نفرت وحقارت کی چنگاریاں اٹھنے لگیں۔ آپ نے بے باکانہ انداز میں ارشاد فرمایا: اے ظالمو! تم میرے آقا کو پھانسی دینے کی بات کرتے ہو۔ قسم خدا کی مجھ جیسے ہزاروں خبیب قربان ہوجائیں گے مگر یہ کبھی گوارہ نہ کریں گے کہ میرے آقا

کے قدم ناز میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے اور بے ساختہ پکار اٹھے:

جو جان مانگو تو جان دیں گے جو مال مانگو تو مال دیں گے
مگر یہ ہم سے نہ ہوسکے گا نبی کا جاہ و جلال دیں گے

محترم حاضرین کرام! اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا فاتح اعظم بنایا جنھوں نے لوگوں کا دل بھی جیتا اور متعدد مما لک بھی آپ کے زیر نگیں آئے۔

پھر اللہ نے اپنے پیارے رسول کے صدقے میں ان کے جانثار اور فداکار صحابۂ کرام کو بھی فاتح اعظم بنادیا چونکہ ان لوگوں نے اپنی زندگی حضور کے اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھال کر اپنی جانثاری اور فداکاری کا ثبوت پیش کیا۔ اس لیے وہ لوگ جس طرف رخ کرتے فتح وکامیابی ان کے قدم چوم لیتی۔ اللہ کی نصرت اور اس کی مدد ان کے گلے کا ہار بن جاتی۔

کیا آپ کو یاد نہیں حضرت سعد بن وقاص کی شجاعت و بہادری۔ جنھوں نے باطل قوموں کو اپنے قدموں سے روند کر رکھ ڈالا۔

کیا آپ بھول گئے حضرت خالد بن ولید کو جن کی فاتحانہ شان وشوکت کا ڈنکا آج بھی سارے عالم میں بج رہا ہے۔

کیا آپ فراموش کر بیٹھے حضرت عمرو ابن عاص کو جن کی شجاعت و بہادری کے سامنے کفر وشرک لرزہ براندام رہا کرتے۔

محترم حاضرین! آج ہم ذلت ورسوائی کے غار میں دفن ہوتے جارہے ہیں۔ اسلامی مما لک کی تعداد دنیا میں کم نہیں اور ان ملکوں میں دولت وثروت کا انبار لگا ہوا ہے۔ اس کے باوجود آج بیت المقدس پر وہ قابض ہیں۔ فلسطین اور غزہ کی سرزمین اسرائیلیوں کی ظلم وستم کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔

آج کسی اسلامی ملک میں وہ دم نہیں کہ اسرائیل کے مقابلے میں سر اٹھا

سکے۔ باطل قوموں کے سامنے آج کے مسلمان دبے کچلے نظر آتے ہیں۔ وہ فاتحانہ شان وشوکت کیوں نظر نہیں آتی ؟ ان کے اندر شجاعت وبہادری کے جوہر کیوں نہیں دکھائی دیتے ؟

بات دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ مغربی تہذیب وتمدن کو اپنا کر حضور کے اسوۂ حسنہ سے دور ہو گئے۔ نہ وہ اسلامی شان وشوکت باقی رہی، نہ وہ ایمان کی قوت ان کے اندر موجود ہے۔

یہی وہ قوم تھی جس نے بڑے بڑے طوفانوں کا رخ موڑا تھا۔

یہی وہ قوم ہے جنھوں نے بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑائے تھے۔

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے کشتیاں جلا کر اسپین کو فتح کیا تھا۔

آج ان کے دل حضور کی محبت سے خالی ہیں۔ احکام خداوندی کو پس پشت ڈال چکے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کی غلامی میں سرشار نظر آتے ہیں۔ بیت المقدس کو آزاد کرانے کی کوششیں ہوتی ہیں لیکن کامیابی ان سے روٹھ چکی ہے۔ بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ارض فلسطین لالہ زار بن چکی ہے۔ اس کے باوجود بھی اسرائیلی قوم بیت المقدس پر قابض ہے۔

آیئے میں آپ کو اس دور کی سیر کرادوں جب حضرت سعد ابن ابی وقاص لشکر اسلام لے کر بیت المقدس فتح کرنے کے لیے فلسطین پہنچے اور بیت المقدس کو اپنے محاصرہ میں لے لیا۔ اس وقت بیت المقدس پر عیسائی قوم قابض تھی۔ عیسائیوں کے حکمراں نے جب مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کو دیکھا۔ ان کی شجاعت وبہادری کے کارناموں پر جب ان کی نظر پہنچی تو وہ لوگ لرزہ براندام ہو گئے۔

چنانچہ بیت المقدس کے حکمراں نے حضرت سعد ابن وقاص کے پاس اپنا سفیر بھیج کر صلح کی درخواست کی اور یہ کہلا بھیجا کہ ہم صلح کی گفتگو اور صلح کے شرائط آپ سے نہیں بلکہ آپ کے امیر المومنین سے طے کریں گے۔ لہٰذا ان کو بلایئے

تا کہ ہم ان سے صلح کی گفتگو کریں۔
حضرت سعد ابن وقاص نے فوراً ایک ایلچی مدینہ منورہ روانہ کیا اور عیسائی حکمرانوں کے ارادے سے آگاہ کیا۔
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی آمد کے بارے میں خبر بھیجی کہ میں چند دنوں میں بیت المقدس پہنچ رہا ہوں۔
امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام حضرت سالم کو ساتھ لیا تھوڑا سا زادِ سفر تیار کیا اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہو گئے۔ چلنے سے پہلے امیر المؤمنین نے اپنے غلام سالم سے کہا: ہم بیت المقدس کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ ہمارے ساتھ ایک اونٹ ہوگا جس پر ہم دو لوگ باری باری بیٹھ کر سفر کریں گے۔
چنانچہ دو آدمیوں پر مشتمل یہ نورانی قافلہ بیت المقدس کی طرف اس شان وشوکت کے ساتھ روانہ ہوا کہ حضرت امیر المؤمنین اونٹ کی پشت پر سوار ہیں اور ان کا غلام سالم اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہا ہے۔ دوسری منزل آتے ہی حضرت امیر المؤمنین اونٹ سے اتر آئے اور اب ان کا غلام اونٹ کی پشت پر سوار ہے اور امیر المومنین اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے آگے چل رہے ہیں۔ اسی شان سے یہ نورانی قافلہ بیت المقدس کی طرف رواں دواں ہے کہ جب امیر المؤمنین سوار ہوتے غلام اونٹ کی مہار پکڑ کر چلتا اور جب غلام سوار ہوتا تو امیر المؤمنین اونٹ کی مہار پکڑ کر چلتے۔
عدل وانصاف کے اس پیکر نے، اخوت ومساوات کے ان علم برداروں نے دنیا کے سامنے طریقۂ مصطفیٰ کے نمونے پیش کر کے دنیا کو یہ بتا دیا کہ عدل وانصاف جسے کہتے ہیں اخوت ومساوات جس کا نام ہے۔ وہ اسلام کے دامن میں آنے کے بعد ہی میسر آئے گا۔

آج یورپ اور امریکہ کے حکمراں جمہوریت اور اخوت و مساوات کی باتیں کرتے ہیں لیکن دنیا دیکھ رہی ہے کہ آج بھی امریکہ میں کالے اور گوروں میں کشمکش جاری ہے۔ آج بھی یورپ میں چھوٹے اور بڑے، امیر اور غریب کا فرق نمایاں نظر آتا ہے۔ پیارے مصطفیٰ کے غلاموں نے اپنے کردار و گفتار سے یہ ثابت کردیا ہے کہ برابری اور مساوات جس کا نام ہے وہ پیارے مصطفیٰ کی شریعت میں پایا جاتا ہے۔

غرض حضرت امیر المؤمنین اور ان کا غلام اسی شان وشوکت سے آگے بڑھتے جارہے ہیں اور پھر چلتے چلتے وہ وقت بھی آیا کہ یہ نورانی قافلہ جب بیت المقدس سے ایک منزل دور تھا اس وقت اونٹ کی پشت پر سوار ہونے کی باری غلام کی تھی اور امیر المؤمنین کو اونٹ کی مہار پکڑ کر چلنا تھا۔

غلام نے عرض کیا: حضور جب تک ہم ویرانوں اور بیابانوں میں سفر کررہے تھے تو جو حکم آپ دیتے رہے، میں اس پر عمل کرتا رہا۔ اب جب کہ آخری منزل ہے۔ یہاں سے دشمنوں کے قلعہ نظر آرہے ہیں۔ اونٹ پر بیٹھنے کی میری باری ہے لیکن میں نہیں بیٹھوں گا اور آپ کو بیٹھنا پڑے گا۔ کیونکہ دشمنان اسلام پر آپ کی شان وشوکت کا اظہار ہونا چاہیے۔

حضرت امیر المؤمنین نے ارشاد فرمایا: معاہدے کے تحت تمہارے بیٹھنے کی باری ہے۔ اس لیے تمہیں اونٹ پر بیٹھو گے۔

مسلمانوں کی شان اور رسول کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ عہد کی پابندی کی جائے۔ معاہدے کی خلاف ورزی سے بچا جائے۔ اس لیے اونٹ پر تم سوار ہوجاؤ اور میں اونٹ کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلوں گا۔ رہ گئی شان وشوکت کے اظہار کی بات تو اللہ نے جو ہمیں اسلامی شان وشوکت عطا فرمائی ہے۔ وہی ہمارے لیے کافی ہے۔

چنانچہ حضرت امیر المؤمنین کے حکم کے مطابق غلام اونٹ کی پشت پر سوار ہے اور امیر المؤمنین اونٹ کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل رہے ہیں۔

عیسائیوں کے حکمرانوں نے، ان کے وزیروں نے، ان کے امیروں نے قلعہ کی فصیلوں سے اچک اچک کر دیکھا کہ مسلمانوں کا اور مدینہ کا حکمراں آرہا ہے تو عیسائیوں کے حکمراں نے کہا: وہ دیکھو اونٹ کی پشت پر سوار ہو کر مسلمانوں کا امیر المؤمنین آرہا ہے۔

وہ آرہا ہے جس کے عدل وانصاف کا ڈنکا مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں بج رہا ہے۔ سارے حکمراں بڑے حیرت واستعجاب سے بڑے ذوق وشوق سے اس نورانی قافلہ کو بیت المقدس کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ آپس میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ کس شان سے ان کا امیر المؤمنین اونٹ پر سوار ہے! کس جرأت وبے خوفی کے ساتھ بیت المقدس کی طرف بڑھا چلا آرہا ہے! یہ وہ سوار ہے جس کا نام سن کر بڑے بڑے بہادروں کا اور سورماؤں کا دل لرز اٹھتا ہے۔

انہیں دیکھنے والوں میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پہچانتا تھا۔ اس نے آواز دی: اے بیوقوفو! جو اونٹ کی پشت پر سوار ہے وہ امیر المومنین نہیں ہے۔ وہ تو ان کا غلام سالم ہے۔ امیر المؤمنین وہ ہیں۔ جو اونٹ کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل رہے ہیں اور اونٹ پر ان کا غلام سوار ہے۔

اتنا سننا تھا کہ ان کا ایک پادری پکار اٹھا: اے بیت المقدس کے حکمرانو! لاؤ بیت المقدس کی چابی امیر المؤمنین کے قدموں پر ڈال دو اور بیت المقدس کا دروازہ کھول دو۔ کیونکہ ہم نے اپنی مقدس کتابوں میں دیکھا ہے کہ بیت المقدس کا فاتح وہ ہوگا جو اس شان سے آئے گا کہ اس کا غلام اونٹ کی پشت پر سوار ہوگا اور آقا اونٹ کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلے گا۔ لہٰذا بیت المقدس ان کے حوالے کر دو۔

چنانچہ بیت المقدس کا دروازہ کھولا گیا اور مسلمانوں کا لشکر عظیم حضرت عمر فاروق کے پیچھے پیچھے فتح ونصرت کا نعرہ بلند کرتے ہوئے بیت المقدس میں داخل ہو گیا۔

محترم حاضرین کرام! غور فرمایئے یہ مسلمانوں کی فتح عظیم نہیں تو اور کیا ہے۔ اس فتح میں نہ خون کا ایک قطرہ بہا، نہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین کا سینہ دہلا، نہ تلواروں کی جھنکاروں سے لوگوں کے کان آشنا ہوئے، نہ تیروں کی بارش کی گئی اور بیت المقدس فتح ہو گیا۔

یہ حضور کے غلاموں کی شان تھی کہ جس طرف رخ کرتے تھے فتح وکامرانی گلے کا ہار بن جاتی تھی۔ بات صرف یہ تھی کہ ان لوگوں نے حضور کے اسوۂ حسنہ کو اور ان کے احکام کو اپنا امام بنالیا تھا۔ وہ جس طرف قدم اٹھاتے تھے کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے اٹھاتے تھے۔ انھوں نے کبھی قلت وکثرت کا خیال نہ کیا۔ ان کے پیش نظر صرف یہ تھا کہ اللہ ورسول کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچادیا جائے۔ چاہے طوفانوں سے ٹکرانا پڑے یا خوفناک دریاؤں کی تند وتیز لہروں سے گذرنا پڑے۔ ہر حال میں ہمیں اللہ ورسول کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا ہے ؎

سر پر ہوائے ظلم چلے سو جتن کے ساتھ
اپنی کلاہ کج ہے اسی بانکپن کے ساتھ
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

⌘

رحمت عالم

اَلْحَمْدُلِلّٰہ! اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْم.

اَمَّابَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّارَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنْ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ

الْاَمِیْنُ الْمَکِیْنُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ

الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنْ.

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں کسی عالم میں رہ جاتے

یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا

محترم حاضرین کرام! قابل قدر دوستو! بزرگو! عزیز بچو!

آیئے سب سے پہلے ہم اور آپ انتہائی خلوص وعقیدت کے ساتھ آقائے نامدار، مدینے کے تاجدار، دونوں عالم کے مالک ومختار، جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار پرانوار میں درود شریف کا نذرانہ پیش کریں، پڑھیے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَآلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ.

محترم حاضرین! اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات، انسان کے لیے بے شمار نعمتیں پیدا فرمائیں اور انہیں قسم قسم کی رحمتوں سے نوازا، اللہ کی ہر نعمت ہمارے لیے رحمت ہے اور ہماری زندگی کے آرام وآسائش کا بہترین اور قابل قدر ذریعہ ہے۔

غور فرمائیں! کہ یہ آسمان سے برستا ہوا پانی، یہ موجیں مارتا ہوا سمندر، پہاڑوں اور کہساروں کا سینہ چاک کر کے روئے زمین پر آنے والے آبشار، یہ سب ہمارے لیے کتنی بڑی رحمت ہیں۔ انہیں پانیوں پر انسانوں، حیوانوں اور پیڑ پودوں کی زندگی کا دارومدار ہے اگر پانی نہ ہوتو یہ سب جاندار فنا ہو جائیں اور موت کے گھاٹ اتر جائیں۔

اسی طرح یہ ہوائیں، یہ فضائیں، یہ باد بہاری ہمارے لیے ایک عظیم نعمت و رحمت ہے، جس کے ذریعہ ہم سانس لیتے ہیں اور اپنی زندگی کو خوشگوار بناتے ہیں۔ اگر یہ ہوا تھوڑی دیر کے لیے معدوم ہو جائے تو تمام جاندار آن واحد میں موت کی تاریک وادیوں میں غرق ہو جائیں۔

ذرا غور فرمائیں! یہ آگ ہمارے لیے کتنی بڑی رحمت و نعمت ہے کہ اس سے کھانا تیار کرتے ہیں، حرارت حاصل کرتے ہیں اور بے شمار ضرورتوں میں استعمال کرتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اسی طرح آفتاب ہمارے لیے ایک زبردست رحمت ہے کہ اس کی روشنی میں ہم اپنے کام انجام دیتے ہیں اور حرارت حاصل کرتے ہیں، پیڑ پودوں کو آفتاب سے طاقت وقوت ملتی ہے، آفتاب کی دھوپ سے نباتات کو زندگی ملتی ہے اگر نباتات کو دھوپ نہ ملے تو وہ کمھلا کر مر جاتے ہیں، اگر آفتاب نہ ہوتا تو ہمارے کاروبار کیسے پروان چڑھتے۔

محترم حاضرین کرام! اللہ نے جتنی نعمتیں بطور رحمت ہمیں عطا فرمائیں وہ سب کی سب اگر رحمت ہیں تو اس میں زحمت کا بھی کوئی نہ کوئی پہلو ضرور پوشیدہ ہے۔

یہ پانی اگر آسمان سے برس کر، تالابوں سے ہو کر یا آبشاروں سے گر کر ہماری زمین کو سیراب کردے۔ تو ویرانے آباد ہو جاتے ہیں، صحرا لہلہا اٹھتے ہیں، وشت وجبل رشک چمن بن جاتے ہیں۔ لیکن یہی پانی اگر بھیانک سیلاب کا رخ اختیار

کر لے تو پھر آبادیاں تباہ و برباد ہو جاتیں ہیں۔ لہلہاتے چمن کا نام ونشان مٹ جاتا ہے۔ بڑی بڑی پائیدار عمارتیں خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتی ہیں۔ اس بات سے یہ معلوم ہوا کہ پانی اگر ہمارے لیے رحمت ہے تو ایک بہت بڑی زحمت بھی ہے۔

اسی طرح یہ ہوائیں ہمارے لیے رحمت ہیں مگر یہی ہوائیں اگر آندھی اور طوفان بن کر ۳۰۰/۴۰۰ سو کلو میٹر کی رفتار سے چلنے لگیں تو فلک بوس اور پائیدار عمارتیں پتوں کی طرح ہوا میں اڑتی نظر آتی ہیں۔ درخت کا وجود روئے زمین سے مٹ جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہوا اگر ہمارے لیے رحمت ہے تو ایک بہت بڑی زحمت بھی ہے۔

اسی طرح آگ جو ہمارے لیے رحمت ہے، اگر یہی آگ بھڑک اٹھے تو کھیت اور کھلیانوں کو راکھ بنا دے۔ دیوار و در کو کوئلے کے ڈھیر میں تبدیل کر دے۔

اسی طرح اگر آفتاب ہمارے لیے رحمت ہے تو ایک بہت بڑی زحمت بھی ہے۔ مئی جون کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں لُو کے تھپیڑوں سے نہ جانے کتنے لوگ لقمۂ اجل بن جاتے ہیں، زمین چٹخ جاتی ہے، ندی نالے خشک ہو کر خشک سالی کا منظر پیش کرتے ہیں۔

محترم حاضرین! عرض یہ کرنا ہے کہ اللہ کی ہر نعمت ہمارے لیے رحمت بھی ہے اور رخ تبدیل کر دے تو زحمت بھی ہے۔ مگر اللہ نے ہمیں ایک ایسی نعمت عطا فرمائی ہے جس کے بارے میں ہمیں حکم دیا کہ میری اس عظیم نعمت کا خوب ذکر کرو خوب چرچا کرو کیونکہ وہ نعمت صرف رحمت ہی رحمت ہے وہاں زحمت کا گذر نہیں۔ اسی رحمت کاملہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ" ہم نے اپنے پیارے رسول کو سارے عالم کے لیے صرف اور صرف رحمت بنا کر بھیجا وہ آسمان کے لیے رحمت ہیں تو زمین کے لیے بھی رحمت ہیں وہ انسانوں کے لیے رحمت ہیں تو جانوروں کے لیے بھی رحمت ہیں کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کے لیے میرے رسول رحمت نہ ہوں۔

محترم حاضرین کرام! یاد کیجئے اس وقت کو جب ہر طرف ظلم وستم کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ کفر وشرک نے دنیا کو اپنے نرغے میں لے رکھا تھا، مغرب سے لے کر مشرق تک شمال سے جنوب تک جدھر نظر اٹھایئے تاریکی ہی تاریکی تھی۔ سرزمین عرب پر جبر واستبداد کا ڈنکا بج رہا تھا۔ عورتیں سامان تجارت بن چکی تھیں۔ بچیوں سے جینے کا حق چھین لیا گیا تھا۔ پیدا ہوتے ہی انھیں زمین کی آغوش میں دفن کردیا جاتا تھا۔

ایسے پرخطر ماحول میں رحمت للعالمین آفتاب ہدایت بن کر سرزمین عرب پر تشریف لائے اور اپنی رحمت سے درندہ صفت انسانوں کو رحم وکرم کا پیکر بن کر زندگی گزارنے کا سلیقہ عطا فرمایا۔ کفر وشرک کی دھجیاں بکھیر دیں۔ عورتوں کو عزت ووقار کا سرچشمہ قرار دیا۔ بچوں کو ناز ونعم سے پروان چڑھنے کا موقع عطا فرمایا، غرض ساری کائنات رحمت للعالمین کے نور سے منور ہوگئی۔ وہ جاہل اور گنوار قوم جنہیں جینے کا سلیقہ معلوم نہ تھا وہ رہبر قوم وملت بن گئے۔

جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکا
ہوگئے خاک کو اکسیر بنانے والے

محترم حاضرین! یاد کریں اس وقت کو جب حضور رحمۃ للعالمین کی بزم ہدایت سجی ہوتی صحابۂ کرام ادب واحترام کے سانچے میں ڈھل کر بیٹھ جاتے اور حضور کا دریائے کرم لوگوں کو سیراب کرتا رہتا۔

چنانچہ انھیں آنے والوں میں ایک صحابی تھے جو روز آتے، خاموشی سے ایک کنارے بیٹھ جاتے۔ اداس چہرہ، غم والم میں ڈوبی ہوئی آنکھیں، حسرت ویاس کی تصویر بنے بیٹھے رہتے، پھر خاموشی سے اپنے گھر چلے جاتے، کبھی بولتے نہ تھے۔

ایک دن میرے آقا نے ان سے پوچھا: کیا بات ہے؟ تم خاموشی سے آتے ہو اور چلے جاتے ہو تمہاری آنکھیں ویران، چہرہ غم والم کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، تمہارے

ہونٹوں پر کبھی مسکراہٹوں کی قندیل روشن نہیں ہوئی، تم نے کبھی ہم سے ہم کلامی کا شرف حاصل نہیں کیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا دل زخموں سے چور ہے، مسرت و شادمانی تم سے روٹھ چکی ہے، آخر بات کیا ہے؟ بیان تو کرو، ہم دکھی دلوں کے مداوا بن کر آئے ہیں، رنج وغم کو مسرت وشادمانی میں تبدیل کرنے آئے ہیں۔

حضور کے دلاسہ دینے سے ان صحابی کو یارائے ضبط نہ رہا، آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا، بلک بلک کر رونے لگے، جب ذرا دل سنبھلا تو عرض کرنے لگے:

یا رسول اللہ! یہ اس زمانے کی بات ہے جب آپ تشریف نہیں لائے تھے۔ ہر طرف تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں۔ جب بچیوں کی پیدائش ذلت و رسوائی کا سبب بنی ہوئی تھی۔ جب بچیوں کو زندہ در گور کر دیا جاتا تھا۔ انھیں دنوں ایک حسین وجمیل عورت سے میری شادی ہوئی۔ زندگی کے دن بہت خوشگوار تھے۔ شادی کے کچھ مہینوں بعد میری بیوی امید سے ہوئی اس کے بطن میں میری اولاد پروان چڑھنے لگی۔ اس کی پیدائش سے چند مہینوں قبل مجھے تجارت کے لیے ایک سفر پر جانا ہوا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا: اب تو میں کئی سال کے بعد واپس آؤں گا لیکن میں تمہیں یہ حکم دیتا ہوں اور تاکید کرتا ہوں کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کی پرورش کرنا اسے ناز ونعم سے پروان چڑھانا اور اگر بچی پیدا ہو تو اسے زندہ در گور کر دینا۔ میری غیرت وحمیت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ میری بیٹی کا کوئی شوہر ہو اور میرا داماد بنے۔ میں کسی کو اپنا داماد بنا کر اپنا سر نہیں جھکانا چاہتا۔

بیوی نے کہا: میرے سرتاج میں آپ کی نصیحت یاد رکھوں گی اور آپ کے حکم کی تعمیل ضرور کروں گی۔

یا رسول اللہ! اپنی بیوی کو یہ حکم دے کر میں سفر پر روانہ ہو گیا۔ کچھ مہینوں بعد میری بیوی نے ایک بچی کو جنم دیا جو حسن و جمال میں یکتائے روزگار تھی،

آنکھیں بڑی بڑی، کشادہ پیشانی، گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح گلابی ہونٹ، غرض سارا حسن اس کے وجود میں سمٹ آیا تھا، بیوی نے سوچا اتنی پیاری حسین وجمیل بچی کو کیسے زندہ درگور کرسکتی ہوں۔ جیسے بھی ہوگا میں اسے زندہ رکھوں گی۔

چنانچہ اس نے پڑوس سے ایک سہیلی کو بلایا اور اس سے کہا اس حسین بچی کو میں تمہارے حوالے کرتی ہوں اس کی پرورش تم کروگی، خرچ میں دوں گی، لیکن کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ یہ میری بچی ہے، ورنہ اس کا باپ واپس آکر اسے زندہ دفن کردے گا۔ اس کی سہیلی نے پیار ومحبت سے بچی کا منہ چوما، سینے سے لگایا اور اپنے گھر لے گئی، وہ بچی وہاں پرورش پاتی رہی، پروان چڑھتی رہی۔

یارسول اللہ! چار سال بعد جب میں واپس آیا تو آتے ہی بیوی سے پوچھا: کہ بچہ پیدا ہوا تھا یا بچی؟

بیوی نے جواب دیا: بچی پیدا ہوئی تھی جس کو میں نے تمہارے حکم کے مطابق زندہ دفن کردیا۔

میں نے کہا: یہ تم نے بہت اچھا کیا، پھر آرام سے کھانا کھا کر سوگیا، صبح جب نیند کھلی تو میں نے دیکھا حسن وجمال کا پیکر، نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ایک پیاری بچی میرے گھر کے صحن میں کھیل رہی ہے۔

یارسول اللہ! وہ بچی مجھے بہت اچھی لگی، دل اس کی طرف کھنچنے لگا میں نے بیوی سے پوچھا: یہ پیاری بچی کس کی ہے جو ہمارے صحن میں کھیل رہی ہے۔ بیوی نے جواب دیا: پڑوس میں میری ایک سہیلی رہتی ہے اسی کی بچی ہے، دن بھر یہاں کھیلتی ہے رات کو اپنی ماں کے پاس چلی جاتی ہے۔

یوں ہی وہ بچی روز میرے گھر آتی میں اس سے باتیں کرتا وہ مجھ سے باتیں کرتی، کبھی میں اس کا رخسار چومتا کبھی سینے سے لگالیتا، وہ بچی مجھ سے اتنی مانوس ہوگئی کہ مجھے ابا جان کہنے لگی میں بھی اس کو اپنی بچی کی طرح پیار کرتا کبھی انگلی پکڑ

کر باغ کی سیر کراتا کبھی کاندھوں پر بیٹھا کر بازار لے جاتا، غرض اس کی محبت میرے رگ وریشے میں سما گئی۔

ایک رات میں نے اپنی بیوی سے کہا: کاش میری بھی کوئی بیٹی ہوتی، کوئی میری بھی نور نظر ہوتی تو اس کو خوب پیار کرتا اسے گھوماتا سیر کراتا۔

یارسول اللہ! جب بیوی نے دیکھا کہ اس کی محبت میرے دل ودماغ میں رچ بس گئی ہے اب بچی کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے، لہٰذا بیوی نے کہا: میرے سرتاج یہ بچی کسی اور کی نہیں ہے بلکہ یہ آپ کی ہی بچی ہے، جس کو میں نے جنم دیا اس کی جان کے خوف سے اسے اپنی سہیلی کے حوالے کر دیا تھا۔

اتنا سننا تھا کہ میرے نفس کا شیطان انگڑائیاں لے کر بیدار ہو گیا، کہنے لگا یہ بڑی ہو گی تو شادی کرنی پڑے گی، کوئی تمہارا داماد بنے گا پھر تم سماج میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہ رہو گے لہٰذا اسے ختم کر دو، ابھی وقت گیا نہیں۔ رات بھر بستر پر کروٹیں بدلتا رہا، شیطان میرے اوپر حاوی ہو چکا تھا۔

چنانچہ جیسے ہی صبح ہوئی دن کا اجالا پھیلا سورج نے اپنی گرمی بکھیرنی شروع کی میں نے بچی کی انگلی پکڑی کاندھے پر پھاوڑہ رکھا اور بچی کو لے کر نکل گیا۔

بچی نے پوچھا: ابا جان کہاں جا رہے ہیں؟

میں نے کہا: چلو بازار سے تمہارے لیے کھلونے لیں گے مٹھائیاں لیں گے۔

بچی دکانیں دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

کبھی کہتی: ابا جان وہ کتنے خوبصورت کھلونے ہیں، خرید دیجیے۔

میں نے کہا: چلو واپسی میں لیں گے۔

کبھی کپڑوں کی دکان دیکھ کر فرمائش کرتی، کبھی مٹھائیوں کی فرمائش کرتی، مگر میں شیطان کے زیر اثر اس کی انگلی پکڑے ہوئے آبادیوں سے باہر نکلتا چلا گیا۔

ریگستانی علاقہ شروع ہوتے ہی بچی بولی: ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟

میں نے کہا: چلو ابھی واپس ہوں گے۔
چلتے چلتے ایک ببول کے درخت کے سائے میں میں نے بچی کو بٹھا دیا اور تھوڑی دوری پر ایک گڈھا کھودنا شروع کر دیا، بچی میرے پاس آگئی کہنے لگی: یہ کیا کر رہے ہیں چلئے واپس چلئے، دیکھئے آپ کے کپڑے گندے ہو رہے ہیں۔
وہ بچی کبھی میرے پیروں سے دھول جھاڑتی کبھی میرے چہرے سے پسینہ پوچھتی، مگر میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر گڈھا کھودتا رہا، جب گڈھا تیار ہو گیا تو میں نے بچی کو گڈھے میں اتارا اور جلدی جلدی مٹی ڈالنے لگا، بچی بلکتی رہی، پوچھتی رہی، ابا جان یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ دیکھئے میرا کپڑا گندہ ہو رہا ہے، منہ میں گرد و غبار آ رہا ہے، مجھے اس گڈھے سے نکالیے۔
میں نے کہا: میں تمہیں دفن کر رہا ہوں، کیوں کہ تم میرے لیے رسوائی کا ذریعہ ہو میں تمہیں زندہ نہ رہنے دوں گا، میں بولتا جا رہا ہوں اور تیزی سے مٹی ڈالتا جا رہا ہوں، بچی رو رہی ہے گڑ گڑا رہی ہے، مگر میرے دل میں ذرا بھی رحم کا جذبہ پیدا نہ ہوا جب بچی نے سمجھ لیا کہ اب موت سے چھٹکارا نہیں ہے تو بے ساختہ پکار اٹھی۔
اے پروردگار عالم! کب آئے گا ہم بچیوں کی زندگی کا محافظ۔
اے رب العالمین! کب بھیجے گا تو رحمۃ للعالمین کو جو ہماری عزت و وقار میں چار چاند لگا دے۔
کب آئیں گے وہ جان مسیحا جو ہمیں جینے کا حق عطا کریں گے۔
اے پروردگار! میں مر رہی ہوں لیکن میری ان معصوم بہنوں کا کیا ہوگا ان انسانی بھیڑیوں سے انھیں کون بچائے گا، کب تک یوں ہی زندہ در گور ہوتی رہیں گی۔
بچی تڑپتی رہی بلکتی رہی مگر میرے اندر انسانیت کی ایک کرن بھی نمودار نہیں ہوئی۔
یا رسول اللہ! اس وقت سے میری خوشیاں مجھ سے روٹھ گئی ہیں، زندگی ایک بوجھ بن گئی ہے، تمام صحابہ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں، داڑھیاں تر ہو گئی

ہیں، رحمت دو عالم کے چشم مبارک سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہیں۔

رحمت دو عالم نے ارشاد فرمایا: جس کی ایک بچی ہو اور اسے اچھی تعلیم و تربیت دے کر شادی کر دے تو اس کے لیے جنت ہے۔

ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! جس کی دو بچیاں ہوں تو؟

ارشاد فرمایا: اس کی تعلیم و تربیت کے بعد شادی کر دے تو اس کے لیے بھی جنت ہے۔

کسی نے کہا: اگر تین ہوں تب؟ کسی نے کہا اگر چار ہوں تب؟

میرے آقا نے فرمایا: جتنی بھی بچیاں ہوں اگر اچھی تعلیم و تربیت کے ساتھ شادی کر دے تو اس کے لیے جنت ہے۔

محترم حاضرین! غور فرمایئے وہ بچیاں جن کو لوگ ذلت و رسوائی کا سبب جانتے تھے اللہ کے حبیب نے انھیں بچیوں کے سبب والدین کو جنت کا حقدار بنا دیا۔

پھر جب ہجرت کر کے میرے آقا مکہ سے مدینہ پہنچے تو مدینہ منورہ کی بچیاں اپنے گھروں سے دف لے کر کودتی پھاندتی نکل آئیں۔ ہر بچی ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہی ہے کہ وہ دیکھو وداع کی پہاڑیوں سے رحمت للعالمین ہماری زندگی کے محافظ بن کر تشریف لا رہے ہیں۔ یہ وہ رحمت للعالمین ہیں جو ہماری عظمتوں کو اوج ثریا سے بھی زیادہ بلندی تک پہنچانے کے لیے تشریف لائے۔

لہٰذا اے سہیلیو! گاؤ دف بجاؤ اور پڑھو:

طلع البدر علینا من ثنیاۃ الوداع

وجب الشکر علینا مادعا للہ داع

لڑکیوں نے پکارا: ہمارے لیے رحمت ہیں۔

لڑکوں نے کہا: ہمارے لیے رحمت ہیں۔

جوانوں نے کہا: ہمارے لیے رحمت ہیں۔

بوڑھوں نے کہا: ہمارے لیے رحمت ہیں۔
عورتوں نے آواز دی: ہمارے لیے رحمت ہیں۔
مردوں نے للکارا: ہمارے لیے رحمت ہیں۔
تو قرآن نے آواز دی:

"وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ"

ہمارے رسول سارے عالم کے لیے رحمت ہیں

جب جب لوگوں نے رحمت دو عالم کو آواز دی آپ کی رحمت نے اسے اپنے دامن رحمت میں پناہ دیدی۔
کسی نے علم طلب کیا تو آپ نے اسے علم کی دولت سے مالا مال فرمادیا۔
اگر کسی نے دنیا کی دولت مانگی تو آپ نے اسے اتنی دولت عطا فرمائی کہ گھر میں رکھنے کی جگہ نہ رہی۔
کسی نے اپنی تجارت کی ترقی چاہی تو اسے آپ نے دنیا کا سب سے بڑا تاجر بنادیا۔
کسی نے جنت مانگی تو اسے آپ نے جنت الفردوس عطا فرمادی۔ آپ کی رحمت کے طفیل آج بھی یہ دنیا قائم ہے اور لوگ آپ کی رحمت سے مالا مال ہورہے ہیں۔
محترم حاضرین کرام! یاد کیجئے عید کا دن ہے سب لوگ عید کی تیاری میں مصروف ہیں اچھے اچھے نئے نئے کپڑے پہن کر لوگ عید گاہ کی طرف رواں دواں ہیں۔ راستے میں ایک جگہ بچوں کا مجمع لگا ہوا ہے ہر بچہ نئے نئے لباس میں ملبوس نظر آرہا ہے۔ ان کے چہروں سے خوشیاں پھوٹ رہی ہیں۔ ان کے ہونٹوں پر تبسم کی بجلیاں کوندرہی ہیں۔ ہر بچہ مسرت وشادمانی کا پیکر بنا ہوا ہے۔ اپنی ٹوپیوں اور اپنے جوتوں سے دوسرے کی ٹوپیوں اور جوتوں کا مقابلہ کررہے

ہیں۔ سب ایک دوسرے کو اپنا لباس فاخرہ دکھا کر اپنی اپنی خوشیوں کا اظہار کرر ہے ہیں۔ لیکن وہیں ایک نحیف ونزار بچہ ان لڑکوں کی جماعت سے کچھ دور، پھٹے پرانے کپڑے میں ملبوس، رنج وغم کی تصویر بنا ہوا ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہے۔ بڑی حسرت ویاس کے ساتھ دوسرے بچوں کے رنگ برنگے کپڑوں کو دیکھ کر اپنی غربت وافلاس پر آنسو بہار ہا ہے۔ اتنے میں رحمت دوعالم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یتیموں اور ناداروں کے ماویٰ وملجا حضرت حسن وحسین کو اپنی انگلیاں پکڑائے ہوئے عیدگاہ کی طرف تشریف لے جارہے ہیں کہ اچانک آپ کی نگاہ محبت بچے کی طرف اٹھی اس کے غم والم سے لبریز چہرہ کو ملاحظہ فرمایا۔ دل تڑپ اٹھا، روح بے قرار ہوگئی، آپ کی رحمت کو پیار آیا، آپ اس بچے کے پاس تشریف لے گئے۔

ارشاد فرمایا: اے بچے کیا بات ہے تم رو کیوں رہے ہو؟ تمہارے جسم پر پھٹے پرانے کپڑے کیوں ہیں؟ آج تمام بچے نئے نئے کپڑے پہن کر اپنی خوشیوں کا اظہار کرر ہے ہیں، ان کا چہرہ مسرتوں سے چمک رہا ہے، آخر کیا بات ہے تم اتنی خستہ حالت میں کیوں ہو؟ تمہارے جسم پر حسین وجمیل کپڑے کیوں نہیں ہیں؟ تمہارا چہرہ غم والم کی آماجگاہ کیوں بنا ہوا ہے؟

بچے نے سسکتے ہوئے جواب دیا: یارسول اللہ! آج میرا نہ باپ ہے نہ ماں ہے۔ میں یتیم اور بے سہارا ہوں، میرا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔

رحمت دوعالم نے ارشاد فرمایا: اے بچے! کیا تمہارے ماں اور باپ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں؟

بچے نے سسکتے ہوئے جواب دیا: یارسول اللہ! میرے والد گرامی آپ کے ساتھ ایک غزوہ میں تشریف لے گئے اور اسی غزوہ میں انھوں نے جام شہادت نوش فرمالیا۔ میں یتیم ہوگیا۔ اس کے بعد میری ماں نے ایک دوسری شادی کرلی

اور مجھے یک وتنہا چھوڑ کر اپنے شوہر کے ساتھ چلی گئی۔ اب میرا اس دنیا میں کوئی نہیں۔ جو میرے لیے نئے کپڑوں کا انتظام کرے۔ جو مجھے بنائے سنوارے جو مجھے عید کی خوشیاں عطا فرمائے۔

اتنا سنا تھا کہ رحمت للعالمین کے دریائے رحمت میں جوش آیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے بچے! کیا تم یہ پسند کرو گے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے باپ بن جائیں۔ عائشہ صدیقہ تمہاری ماں بن جائیں۔ حسن وحسین تمہارے بھائی بن جائیں اور خاتون جنت فاطمۃ الزہرہ تمہاری بہن بن جائیں۔ کیا تم اس کو قبول کرو گے؟

اتنا سننا تھا کہ اس بچے کے چہرے پر مسرت وشادمانی کی بجلیاں کوندنے لگیں اور خوشی سے جھوم اٹھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بچے کو اپنے ساتھ اپنے کاشانۂ اقدس پر واپس لے گئے اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا: اس بچے کو غسل دو اور نئے اور خوبصورت کپڑے پہناؤ۔ حضرت ام المومنین نے اس بچے کو نہلا دھلا کر نئے نئے کپڑے زیب تن فرمائے، خوشبو لگائی، آنکھوں میں سرمہ لگایا۔

اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ بچہ عیدگاہ کی طرف رواں دواں ہے۔ حضور کی انگشت مبارک پکڑے ہوئے حضرت حسن وحسین کے ساتھ عیدگاہ کی طرف جا رہا ہے۔ راستے میں جب ان بچوں نے اس کو دیکھا تو حیرت سے سوال کیا: اے بچے! تم تو ابھی رو رہے تھے تمہارے جسم پر پھٹے پرانے کپڑے تھے اب یہ نئے نئے کپڑے کہاں سے آئے؟ یہ شاندار انقلاب کیسے برپا ہوا؟

اس بچے نے کہا: اے دوستو سنو! آج میری قسمت کا ستارہ اوج ثریا سے بھی زیادہ بلندی پر جگمگا رہا ہے۔ آج رحمت للعالمین میرے باپ ہیں۔ حسن وحسین میرے بھائی بن گئے ہیں۔ خاتون جنت میری بہن بن گئی ہیں اور حضرت

عائشہ صدیقہ میری ماں بن گئی ہیں۔

آج کون ہے تم میں؟ جو میرے مقابل آئے۔

تمام بچے اس کو عید کی مبارکبادیاں دے رہے ہیں اور آپس میں کہہ رہے ہیں: اے کاش! ہمارا بھی باپ کسی غزوہ میں شہید ہو جاتا، ہماری ماں نے بھی شادی کر کے ہمیں یک وتنہا چھوڑ دیا ہوتا، تو یقیناً ہم بھی رحمت للعالمین کی رحمت کاملہ کے طفیل اس مرتبہ پر فائز ہوتے۔

محترم حاضرین کرام! غور فرمایئے کہ میرے آقا کی رحمت کاملہ ہر نحیف ونزار، یتیم و بے سہارا کے لیے رحمت ہے۔ کون ہے دنیا میں جو آپ کی رحمت سے فیضیاب نہ ہوا ہو۔ آپ کا ابر کرم ہر علاقہ اور ہر گوشے میں برسا اور ساری دنیا آپ کی رحمت سے سیراب ہوئی۔ کالا ہو یا گورا، امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت ہر ایک کے لیے آپ رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمت للعالمین بنایا۔ سارے عالم کے لیے آپ رحمت ہیں۔ یہ انھیں کا کرم ہے اور یہ انھیں کی مہربانی ہے کہ آپ ہم گنہگاروں میں تشریف لائے اور ہمیں دولت ایمان سے مالا مال فرمایا۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فرماتے ہیں:

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیے

دینے والا ہے سچا ہمارا نبی

محترم حاضرین! کون ہے دنیا میں جو اپنے خون کے پیاسوں کو بھی معاف کر دے۔

کون ہے جو گالیوں کے بدلے دعاؤں سے نوازے۔

کون ہے جو پتھر کھا کر بھی پھول کی بارش برسائے۔

یہ صرف ہمارے پیارے رسول رحمت للعالمین کی ذات گرامی ہے۔ جنھوں نے گالیاں کھا کر بھی لوگوں کو دعائیں دیں، پتھروں کی بارش سے لہولہان ہو کر بھی

لوگوں کی جان بخشی کی، اپنی جان کے سوداگروں کو بھی زندگی کا پروانہ عطا کیا۔
کیا آپ بھول گئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر کو روانہ ہوتے تو راستہ میں ایک بوڑھی عورت اپنی چھت پر بیٹھ کر آپ کے آنے کا انتظار کرتی اور جب حضور اس کے دروازے سے گزرتے تو وہ عورت آپ کے اوپر کوڑے پھینک دیا کرتی تھی۔ روز کا اس کا یہی معمول تھا۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس سے اس بدتمیزی کا بدلہ نہ لیا۔
ایک بار حضور اس کے دروازے کے سامنے سے گزر رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ وہ عورت کہیں نظر نہیں آرہی ہے، کئی روز تک آتے جاتے ایسا ہی ہوا۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے پوچھا کہ یہاں ایک عورت رہا کرتی تھی جو میرے اوپر یہاں سے گذرنے کے وقت کوڑے پھینک دیا کرتی تھی۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ عورت سخت بیمار ہے، موت اور زندگی کی کشمکش میں گرفتار ہے، اس کا کوئی پرسان حال نہیں، کوئی خبر گیری کرنے والا نہیں۔
اتنا سننا تھا کہ آپ بے قرار ہو اٹھے، فوراً اس کے گھر میں تشریف لے گئے۔ اس عورت نے جب آپ کو دیکھا تو سہم گئی اور بے اختیار پکار اٹھی کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آج جب کہ میں صاحب فراش ہوگئی ہوں، آج میرے ہاتھ اور پیر میں طاقت وتوانائی نہیں ہے، تو آج تم مجھ کمزور اور ضعیف سے انتقام لینے آئے ہو۔ جب تک میرے ہاتھوں میں طاقت تھی اور پیروں میں قوت تھی تو تمہیں بدلہ لینے کی ہمت نہ ہوئی اور آج جب کہ میں موت وزندگی کی کشمکش میں گرفتار ہوں، میری طاقت وتوانائی جواب دے چکی ہے تو تم مجھ سے بدلہ لینے آگئے؟

حضور نے ارشاد فرمایا: اے خاتون! میں تجھ سے بدلہ لینے نہیں بلکہ تیری خبر گیری کرنے اور تیری عیادت کرنے آیا ہوں۔ اگر تجھے کوئی ضرورت ہو تو بتا، تاکہ میں تیری ضرورت پوری کردوں، اگر دوا نہ ہو تو دوا کا انتظام کردوں، اگر

کھانے پینے کا انتظام نہ ہو تو میں تیرا سودا سلف لادوں۔ میں رحمت عالم بن کر کے آیا ہوں۔ لوگوں پر رحم و کرم کی بارش کرنے آیا ہوں۔ میں انتقام کے لیے نہیں بھیجا گیا۔

اتنا سننا تھا کہ اس عورت کے دل میں ایک انقلاب برپا ہوا اور حضور سے نفرت و عداوت کے سارے جذبات فنا ہو گئے۔ اور آپ سے الفت و محبت کی شمع دل میں روشن ہو گئی اور بے اختیار پکار اٹھی:

"اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله"

یہ ہمارے آقا و مولیٰ کی محبت بھری ادائیں تھیں۔ جس نے اپنے جانی دشمنوں کو بھی آپ کا جانثار بنا دیا۔

محترم حاضرین کرام! ہمارے رسول، اللہ کی وہ رحمت ہیں جس سے ساری دنیا فیضیاب ہوتی رہی ہے۔

غزوۂ بنی مصطلق میں جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو بہت کفار مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ ان گرفتار شدہ لوگوں میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی حضرت جویریہ گرفتار ہو کر کے آئیں۔

جب تمام قیدی اور تمام کنیزیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئیں تو حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ تو حضرت ثابت بن قیس نے حضرت جویریہ سے کہا: تم اتنی رقم میرے حوالے کر دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں۔

حضرت جویریہ کے پاس کوئی رقم نہ تھی۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں تشریف لائیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اپنے آقا سے کتابت کر لی ہے اور میں مسلمان ہو چکی ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں اور وہ رقم دے دیں تاکہ میں وہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جاؤں۔

حضور نے ارشاد فرمایا: اے جویریہ! اگر میں تمہارے ساتھ اس سے اچھا سلوک کروں تو کیا تم منظور کرلوگی؟

انھوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟

حضور نے ارشاد فرمایا: میں خود وہ ساری رقم ادا کر کے تم کو آزاد کردوں اور تم سے نکاح کرلوں تاکہ تمہارا خاندانی اعزاز ووقار برقرار رہے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس تجویز پر راضی ہوگئیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ساری رقم ادا کر کے حضرت جویریہ سے نکاح کرلیا۔

حضور کا نکاح فرمانا تھا کہ لشکر اسلام کا ہر سپاہی یہ بول اٹھا: کہ حضور نے جس خاندان میں نکاح کیا ہے اس خاندان کا کوئی فرد غلام نہیں رہ سکتا ہے۔ کیوں کہ جتنے لوگ غلام اور کنیز بنائے گئے ہیں یہ سب کے سب حضور کے سالے اور سالیاں ہیں۔ لہٰذا ہم ان کو اپنا غلام نہیں بنا سکتے۔ لہٰذا تمام قبیلۂ بنی مصطلق کے لوگوں کو آزاد کردیا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ہم نے کسی عورت کا نکاح جویریہ کے نکاح سے بڑھ کر خیر و برکت والا نہیں دیکھا کہ حضور کے نکاح کرنے پر پورا قبیلہ آزاد ہوگیا۔

یہ حضور کی رحمت کاملہ تھی کہ جس کے سبب بہت سے لوگ جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے انھیں آزادی کا پروانہ نصیب ہوگیا۔

محترم حاضرین کرام! جب حضرت طفیل دوسی مسلمان ہوگئے تو اپنے قبیلہ میں جاکر اسلام کی تبلیغ کرنے لگے۔ لیکن ان کی تبلیغ کا کچھ اثر نہ ہوا۔ ایک آدمی بھی مشرف بہ اسلام نہ ہوسکا۔ آپ غصہ میں چور ہوکر غیظ وغضب کے عالم میں بارگاہ مصطفیٰ میں حاضر ہوئے۔ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! میں نے اپنے قبیلے

میں بہت تبلیغ کی۔ لیکن کوئی اسلام لانے کو تیار نہیں۔ یارسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے قبیلے کے لیے بددعا کردیں۔ تاکہ میرا قبیلہ تباہ و برباد ہوجائے۔

میرے آقا نے ارشاد فرمایا: اے طفیل! اللہ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ میں کسی کے لیے زحمت بن کر نہیں آیا ہوں۔ میں دعا دینے کے لیے آیا ہوں، بد دعا دینا میرا کام نہیں۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دست دعا اٹھایا اور عرض کی:

"اللھم اِھْدِ دوساً وایْتِ ھَا"

اے اللہ قبیلۂ دوس کو ہدایت دے، اور انھیں یہاں لا۔

رحمۃ للعالمین نے دعا فرمائی اور پورا قبیلۂ دوس مشرف بہ اسلام ہوکر بارگاہ مصطفیٰ میں حاضر ہوگیا۔

محترم حاضرین کرام! غور فرمایئے! کہ اپنے قبیلہ کی تباہی کے لیے بددعا کی درخواست کی جارہی ہے۔ مگر اللہ کی اس رحمت کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ میرے معزز صحابی کا قبیلہ تباہ و برباد ہوجائے۔ بلکہ آپ نے انھیں اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کی دعا فرمادی۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ"

اے پیارے رسول ہم نے آپ کو صرف اور صرف رحمت بنا کر بھیجا۔

معزز حاضرین! اگر حضور کی رحمت کا منظر دیکھنا ہوتو آیئے بازار طائف چلتے ہیں۔ جہاں ہمارے آقا و مولیٰ دین اسلام کی تبلیغ کے لیے تشریف لائے۔ طائف کے لوگوں کو حضور نے ہدایت کی راہ دکھائی، اسلام کی عظمت بیان کی، لیکن جواب میں لائف والوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر اتنے پتھروں کی بارش کی کہ آپ کا سارا جسم لہولہان ہوگیا۔ آپ کا نعلین مبارک آپ

کے مقدس خون سے بھر گیا۔ زخموں سے چور ہو کر ضعف اور کمزوری کے ساتھ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے کہ اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ عرض کی: یارسول اللہ! ان ظالموں نے ظلم وستم کی انتہا کردی، آپ کے جسم اطہر کو پتھر برسا کر لہولہان کردیا۔ میرے ساتھ مَلَکُ الْجِبَال آئے ہیں، یعنی پہاڑوں کے فرشتے آئے ہیں۔ پہاڑوں پر موجود ہیں۔ آپ کے اشارۂ ابرو کے منتظر ہیں۔ آپ حکم دے دیں تاکہ ملک الجبال طائف کی دونوں پہاڑیوں کو آپس میں ٹکرادیں اور طائف کے سارے لوگ نیست ونابود ہوجائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے جبریل! میں ان سے انتقام لینا نہیں چاہتا۔ مجھے اللہ سے یہی امید ہے کہ ان طائف والوں کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اسلام کا پرچم بلند کریں گے۔ جو کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے تن من دھن سب قربان کردیں گے۔

اسی لیے تو کسی شاعر نے کہا ہے۔

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں کسی عالم میں رہ جاتے
یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

وسیلہ

نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا وَمَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّلَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ بِالۡھُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ اَرۡسَلَہٗ

اَمَّابَعۡدُ!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمۡ

یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا اتَّقُوااللّٰہَ وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃۡ

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡمُ وَصَدَقَ رَسُوۡلُہُ النَّبِیُّ الۡاَمِیۡنُ الۡمَکِیۡنُ الۡکَرِیۡمُ وَنَحۡنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیۡنَ وَالشَّاکِرِیۡنَ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنۡ.

محترم حاضرین! وعزیزان گرامی! آیئے سب سے پہلے ہم اورآپ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دربار گہربار میں درود شریف کا نذرانہ پیش کریں پڑھیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکۡ وَسَلِّمۡ....

گرمیٔ حسرت ناکام سے جل جاتے ہیں
ہم چراغوں کی طرح شام سے جل جاتے ہیں
جب بھی آتا ہے میرا نام ترے نام کے بعد
جانے کیوں لوگ میرے نام سے جل جاتے ہیں

محترم حاضرین کرام! سلطان المناظرین، فاتح یورپ وایشیا، رئیس القلم، حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان اکثر و بیشتر اپنی تقریروں کا آغاز انھیں اشعار سے کرتے تھے۔ انھیں کی تقلید کرتے ہوئے اور ان کی یاد تازہ کرتے ہوئے میں بھی اپنی تقریر کی شروعات انھیں اشعار سے کر رہا ہوں۔

محترم حاضرین کرام! اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ضروریات اور ان کی حاجتوں کو پورا کرنے کے لیے مختلف قسم کے وسائل واسباب اور ذرائع پیدا کیے ہیں۔ انسان انھیں کے ذریعہ اور انھیں کے وسیلہ سے اپنی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ اللہ نے چلنے کے لیے انسانوں کو دو پیر عطا فرمائے اور وہ انھیں کے وسیلے سے چل کر اپنی منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح انسان کو دو ہاتھ عطا فرمائے جن کے ذریعہ وہ کام کرتا ہے اور اپنی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ ایسے ہی انسان آنکھوں کے ذریعہ دیکھتا ہے اور کان کے ذریعہ سنتا ہے۔ غرض انسان دنیا میں جو بھی کام کرتا ہے انھیں وسائل اور انھیں ذرائع کے ذریعہ وہ انجام دیتا ہے۔

محترم حاضرین کرام! یہ وہ اسباب اور وسائل ہیں جن سے دنیا میں ظاہر طور پر وہ کام لیا جاتا ہے جو ہمارے اختیار میں ہوتا ہے۔ لیکن کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جن کا تعلق اللہ کی ذات گرامی سے ہے۔ جیسے کسی کی توبہ قبول کرنا۔ کسی کی مغفرت کرنا۔ بارش برسانا۔ بلائیں رد کرنا۔ مرض سے شفا دینا۔ بندے کی ان ضروریات کی تکمیل کا تعلق باری تعالیٰ کی ذات گرامی سے ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ لوگوں کی دعائیں سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔ سب کو رزق دیتا ہے۔ بیماروں کو شفا عطا فرماتا ہے۔ مگر ان سب کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے وسیلہ پیدا فرمایا ہے۔ اور ارشاد فرمایا:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ"

یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں وسیلہ اختیار کرو۔

جب جب تمہیں کوئی ضرورت پیش آئے، رب تبارک وتعالیٰ سے مغفرت طلب کرو یا شفایابی چاہو تو اس کے محبوب بندوں کے وسیلہ سے رب کی بارگاہ میں دعا کرو۔ کسی کی کوئی دعا، کوئی توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اللہ کے سب سے پیارے رسول یا اس کے محبوب بندوں کے وسیلہ سے نہ کی جائے۔

محترم حاضرین کرام! عام انسان کی تو بات الگ رہی۔ انبیائے کرام اور رسولان عظام کی دعائیں اور ان کی توبہ اس وقت تک قبول نہ ہوتیں جب تک کہ ہمارے پیارے آقا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار نہ کیا۔

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی زوجۂ محترمہ حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت میں رہتے اور جنت کی سیر وتفریح کرتے۔ اللہ نے ان سے ارشاد فرمایا تھا:

"يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ"

اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہیں۔

"وَكُلَا مِنْهَا رَغَداً حَيْثُ شِئْتُمَا"

اور اس میں سے جو چیز چاہیں من پسند کھائیں۔

"وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِيْنَ"

لیکن اے آدم وحوا اس درخت کے قریب بھی مت جانا ورنہ تم دونوں حد سے گزرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

محترم حاضرین کرام! حضرت آدم وحوا دونوں جنت میں رہتے تھے اور جو چاہتے کھاتے پیتے تھے۔ لیکن ابلیس کے ورغلانے سے حضرت آدم وحوا سے ایک لغزش ہوئی اور دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جنت سے زمین پر اتار دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی لغزش کا شدت سے احساس ہوا اور رو رو کر بارگاہ خداوندی میں توبہ واستغفار کرتے

رہے۔ تین سو سال تک روتے رہے گڑگڑاتے رہے لیکن پھر بھی رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے توبہ و استغفار کو شرف قبولیت حاصل نہ ہوئی۔ پھر ایک دن اچانک اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایک بات القا کردی۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

"فَتَلَقّٰی آدَمُ مِن رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ"

یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھیں پھر ان کے ذریعہ بارگاہ خداوندی میں توبہ واستغفار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔

وہ باتیں کون سی تھیں جن کے ذریعہ توبہ قبول فرمائی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جب میں جنت میں تھا تو میں نے دیکھا کہ جہاں جہاں لا الہ الا اللہ لکھا ہے وہیں محمد رسول اللہ بھی لکھا ہے۔

جنت کے دروازے پر، حوروں کی پتلیوں پر، درخت کے پتوں پر، عرش اعظم پر، غرض جہاں پر لا الہ الا اللہ ہے وہیں پر محمد رسول اللہ بھی لکھا ہوا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے دل میں سوچا کہ یہ ذات گرامی اللہ کے نزدیک سب سے محبوب ذات ہے۔ اسی لیے تو اللہ نے ان کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر رکھا ہے۔ اگر میں ان کے وسیلہ سے توبہ و استغفار کروں تو یقیناً رب تبارک وتعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے گا۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے آقا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لے کر بارگاہ خداوندی میں اپنی توبہ پیش کی تو رب تبارک وتعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول فرمالی اور فرمایا:

"اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ"

بے شک میں بہت توبہ قبول فرمانے والا اور بہت رحم و کرم فرمانے والا ہوں۔ بشرطے کہ تم لوگ میرے محبوب رسول کا وسیلہ لے کر توبہ کرو۔

محترم حاضرین کرام! طوفان نوح کا واقعہ کون نہیں جانتا۔

حضرت نوح علیہ السلام ایک اولوالعزم نبی ہیں۔ اس کے باوجود آپ کی کشتی ایک زمانہ دراز تک طوفان میں ہچکولے کھاتی رہی۔ پانی کی موجوں سے ادھر ادھر ہوتی رہی۔ لیکن جب حضرت نوح علیہ السلام نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا فرمائی تو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو جودی پہاڑی کا ٹھکانہ مل گیا۔ اور وہ کشتی ساحل مراد سے آلگی۔

ان واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتا ہے جو ہمارے آقا کے وسیلہ سے کی جاتی ہے۔

اسی لیے حضرت مولانا روم فرماتے ہیں: ؎

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

یعنی اگر ہمارے آقا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ نہ لیتے تو نہ حضرت آدم کی توبہ قبول ہوتی اور نہ حضرت نوح علیہ السلام طوفان میں ڈوبنے سے نجات پاتے۔

محترم حاضرین کرام! اللہ تبارک وتعالیٰ جو قادر مطلق ہے۔ جو سمیع وبصیر ہے۔ جو با اختیار ہے۔ وہ خود ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ"

یعنی اس کا معاملہ تو یہ ہے وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو فرماتا ہے کہ "ہوجا" تو وہ چیز ہوجاتی ہے۔

یعنی وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ براہ راست جو چاہے کرے وہ کسی وسیلہ اور کسی ذریعہ کا محتاج نہیں۔ مگر اس کے باوجود اپنا سارا حکم اور اپنا فرمان اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور ان کے وسیلے سے اپنے بندوں تک پہنچائے۔ یہاں تک کی اپنی معرفت کے لیے اپنے پیارے رسول کو ہی ذریعہ بنایا۔

چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا:

"کُنتُ کنزاً مخفیاً"

میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا

"فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ"

تو میں نے چاہا کہ لوگ مجھے پہچانیں لوگ مجھے جانیں لوگوں کو میری معرفت حاصل ہو۔لوگ میری عبادت کریں۔

"فَخَلَقْتُ نُوْرَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم"

تو میں نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے تعارف کے لیے اپنی پہچان کرانے کے لیے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔اس قادر مطلق نے اپنی پہچان کے لیے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ذریعہ اور وسیلہ بنایا۔وہ چاہتا تو براہ راست لوگوں کے دلوں میں اپنی پہچان پیدا کر دیتا۔لوگوں تک براہ راست اپنا حکم پہنچا دیتا۔مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کا سارا حکم اور سارے فرامین جو انسانوں تک پہنچ رہے ہیں، وہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہی پہنچ رہے ہیں۔

چنانچہ وہ فرماتا ہے:"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"

اے پیارے رسول آپ دنیا والوں سے کہہ دیں کہ اللہ ایک ہے۔

"اَللّٰهُ الصَّمَدُ"

اللہ بے نیاز ہے۔

رب تبارک وتعالیٰ ان ساری باتوں کو براہ راست لوگوں کے دل میں ڈال سکتا تھا۔لیکن اس نے یہ پسند فرمایا کہ میرے سارے احکام جو میرے بندوں تک پہنچیں وہ میرے پیارے رسول کے ذریعہ پہنچیں۔کیوں کہ اللہ نے ان کو اپنا نائب مطلق بنایا ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

محترم حاضرین کرام! غور فرمائیں جب اس قادر مطلق کا حکم ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پہنچ رہا ہے تو ہم بے کس اور مجبور بندوں کی دعائیں اور التجائیں بغیر حضور کے وسیلہ سے کیسے پہنچ سکتی ہیں۔

اسی لیے تو ارشاد فرمایا: "وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ جَاؤُكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا الرَّحِيْمًا"

یعنی لوگ اگر گناہ کریں تو میرے پیار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آکر اللہ سے توبہ و استغفار کریں اور میرا پیارا رسول بھی ان کے لیے سفارش کردے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کردے تو وہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کتنی دعائیں قبول فرمانے والا اور مغفرت فرمانے والا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ ایک بار ایک نوجوان صحابی نے رمضان کے مہینے میں روزہ رکھتے ہوئے اپنی بیوی سے قربت کرلی اور ان کا روزہ ٹوٹ گیا۔

چنانچہ وہ دوڑے دوڑے بارگاہ مصطفیٰ میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

"هلكت يا رسول الله" یارسول اللہ! میں تو ہلاک ہوگیا ہوں۔ میں نے اپنی بیوی سے قربت کرلی اور میرا روزہ ٹوٹ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کو دو مہینے لگا تار روزہ رکھنا ہوگا۔

انھوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں ایک روزہ تو سنبھال نہ سکا آپ دو مہینے کا حکم دے رہے ہیں۔ میں دو مہینے کا روزہ لگا تار کیسے رکھ سکتا ہوں۔

حضور نے ارشاد فرمایا: اگر روزہ نہیں رکھ سکتے تو جاؤ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ یہی تمہارے روزے کا کفارہ ہوجائے گا۔

انھوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے خود کھانے پینے کا کوئی ٹھکانا نہیں

ہے۔ میں خود بہت غریب ہوں میں کہاں سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہوں۔
ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ حضور کی بارگاہ میں کہیں سے کھجوروں کا تحفہ آیا۔ حضور نے ان کھجوروں کو دے کر فرمایا: لے جاؤ یہ کھجور مدینے کے غریب اور نادار لوگوں میں تقسیم کر دو۔ یہی تمہارے روزے کا کفارہ ہو جائے گا۔
انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مدینہ میں مجھ سے بڑا غریب اور نادار کون ہے؟
اتنا سننا تھا کہ حضور مسکرا پڑے اور ارشاد فرمایا: لے جاؤ خود کھالو اور اپنے بچوں کو کھلا دو یہی تمہارے روزے کا کفارہ ہو جائے گا۔
محترم حاضرین کرام! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابۂ کرام اللہ سے جو بھی دعا کرتے وہ حضور کے وسیلہ سے ہی کرتے تھے اور ان کی دعائیں مقبول بارگاہ ہوتیں۔ اس وقت بھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایام طفولیت میں تھے تب بھی حضور ہی کے وسیلے سے لوگ دعائیں کرتے۔
چنانچہ یہود و نصاریٰ بھی جنگوں میں اپنی فتح و نصرت کے لیے اسی رسول کا وسیلہ اختیار کرتے تھے۔ جس آخری رسول کی آمد کا ذکر ان کی آسمانی کتاب توریت اور انجیل میں موجود تھا۔ اور جس رسول کی آمد کی بشارت توریت اور انجیل میں تھی وہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔
محترم حاضرین کرام! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کا زمانہ ہے اور طفولیت کا دور ہے۔ اس وقت سرزمین عرب پر ایک بھیانک اور زبردست قحط پڑ گیا۔ مکہ کے مشرکوں نے سوچا کہ چلو اپنے ان بے جان بتوں سے آہ و فریاد کریں ہو سکتا ہے ہماری فریاد رنگ لائے اور ابر رحمت برس پڑے۔
مگر ایک خوبصورت بوڑھے نے مکہ کے بت پرستوں سے کہا: اے مکہ والو! اس وقت کعبہ کے بانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی مقدس نسل سے ایک

شخص موجود ہے۔ جو کعبہ کا متولی بھی ہے اور سجادہ نشین بھی۔ جس کا نام ابو طالب ہے چلو اس کے پاس چلتے ہیں اور دعا کی درخواست کرتے ہیں۔

چنانچہ تمام سرداران عرب جناب ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فریاد کرنے لگے کہ اے ابو طالب قحط کی آگ میں سارا عرب جل رہا ہے۔ زمینیں چیخ چکی ہیں۔ جانور پانی کے لیے ترس رہے ہیں۔ نسل انسانی پانی اور دانہ نہ ملنے سے سسک سسک کر دم توڑ رہی ہے۔ ہر طرف ویرانی اور بربادی کا دور دورہ ہے۔ دکھی انسانیت پر رحم فرمائیے۔ بارش کے لیے دعا فرمائیے۔

مشرکین عرب کی فریاد سن کر جناب ابو طالب کا دل بھر آیا اور فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر خانۂ کعبہ میں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوار کعبہ سے ٹیک لگا کر بیٹھا دیا۔ اور دعا مانگنے میں مشغول ہوئے۔ کہ اے پروردگار عالم! میرے اس ننھے بھتیجے کے وسیلے سے باران رحمت بھیج دے۔

ابو طالب دعا کر ہی رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک کو آسمان کی طرف اٹھا کر چاروں طرف حرکتیں دیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف سے رحمت کی گھٹائیں اٹھیں اور اس زور سے باران رحمت ہوئی کہ سارا ریگزار عرب سیراب ہو گیا۔ جنگل اور میدانوں میں ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ چٹیل میدان اور بنجر زمین سرسبز و شاداب ہو گئی اور سارا عرب خوشیوں سے جھوم اٹھا۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ اپنے تو اپنے غیروں نے بھی جب حضور کا وسیلہ اختیار کیا تو ان کی فریادیں سنی گئیں۔

آج بھی جب ہم حضور کا وسیلہ لے کر دعائیں کرتے ہیں تو ہماری دعائیں مقبول بارگاہ ہوتی ہیں۔ حضور کی ذات گرامی تو بہت بڑی چیز ہے۔ ان کے غلاموں کا بھی یہ حال ہے کہ ان غلاموں کو وسیلہ بنا کر جب ہم دعائیں مانگتے ہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان بزرگوں کے وسیلے سے ہماری دعائیں قبول فرماتا ہے۔

چنانچہ ہم تاریخ ہند کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں چودہ پندرہ بار حملے کیے۔ لیکن کبھی کامیابی نہ ہوئی۔ ہندوستان سے ناکام اور نامراد ہوکر ہی واپس ہونا پڑا۔

محمود غزنوی اپنے پیر و مرشد حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے میرے پیر و مرشد میں نے ہندوستان پر بار بار حملے کیے مگر ناکامی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا۔ لہٰذا آپ میرے لیے دعا فرمادیں کہ مجھے کامیابی حاصل ہوجائے۔

حضرت ابوالحسن خرقانی رضی اللہ عنہ نے اپنا خرقہ اتارا اور محمود غزنوی کو دیتے ہوئے فرمایا: اے محمود! لو اسے اپنے ہاتھ میں رکھ لو۔ اور رب تبارک وتعالیٰ سے اس خرقہ کے وسیلہ سے دعا کرو۔ رب تبارک وتعالیٰ تمہاری دعا ضرور قبول فرمائے گا۔

چنانچہ حضرت محمود غزنوی خرقہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ اے پروردگار عالم! میرے پیر و مرشد کے خرقہ کے وسیلہ سے ہندستان پہ فتح عطا فرما۔

چنانچہ اس کے بعد حضرت محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور فتح و کامیابی نے ان کے قدم چوم لیے۔

حضرت ابوالحسن خرقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے محمود تم نے میرے خرقہ کی قدر نہ کی۔ اگر تم اس خرقہ کے وسیلہ سے یہ دعا کرتے کہ سارا ہندوستان مسلمان ہوجائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام ہندوستانیوں کو ایمان کی دولت سے مالا مال فرمادیتا۔

محترم حاضرین کرام! کوئی ایسی چیز نہیں جو بغیر حضور کے وسیلہ کے حاصل ہوتی ہو۔

حضور کے وسیلہ سے ہمیں ایمان کی دولت حاصل ہوتی ہے۔

حضور کے وسیلہ سے قرآن ملا۔

حضور کے وسیلہ سے روزہ ملا۔

حضور کے وسیلہ سے حج وزکوٰۃ کے فرائض ملے۔

حضور کے وسیلہ سے وہ نماز جو شب معراج حضور کو عطا ہوئی وہ پچاس وقت کی تھی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے پچاس وقت کی نمازیں پانچ وقت کی نمازوں میں محدود ہوگئیں۔ مگر ثواب پچاس وقت کا ہی باقی رہا۔ غرض سارا کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کی محتاج ہے۔

برادران اسلام! یاد کیجیے کہ اسلامی لشکر حضرت خالد بن ولید کی سپہ سالاری میں پرچم اسلام بلند کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہے۔ تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ تلواروں کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو رہی ہیں۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سے پورا میدان جنگ لرز رہا ہے۔ اسلامی لشکر دشمنان اسلام کی فوجوں سے نبرد آزما ہے کہ اتنے میں حضرت خالد بن ولید کے سر سے ٹوپی گر گئی۔ اس ٹوپی کی حصولیابی کے لیے حضرت خالد بن ولید نے دشمنوں پر ایک زبردست، یلغار کر دی۔ جس میں کچھ اسلام کے سرفروش بھی شہید ہو گئے۔ بڑے ہی خونریز جنگ کے بعد حضرت خالد بن ولید نے اپنی ٹوپی حاصل کر لی اور سر پر لگالی پھر تھوڑی ہی دیر بعد جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور فتح و کامیابی نے مسلمانوں کے قدم چوم لیے۔

جنگ میں کامیابی کے بعد کچھ مجاہدین نے حضرت خالد بن ولید سے یہ کہا کہ آپ نے اپنی ٹوپی حاصل کرنے کے لیے اتنا زبردست حملہ کیوں کیا۔ جس کی وجہ سے کچھ مسلمان شہید ہو گئے۔

حضرت خالد بن ولید نے فرمایا: کہ میں نے اپنی ٹوپی حاصل کرنے کے لیے یہ حملہ نہیں کیا تھا بلکہ میری ٹوپی کے استر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک رکھا ہوا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میری فتح و کامیابی کا راز اسی موئے مبارک میں پوشیدہ ہے۔ میں نے یہ سوچا کہ اس ٹوپی کے حصول کے لیے پورا لشکر کٹوا دینا گوارا کر لوں گا لیکن موئے مبارک کی توہین گوارا نہ کروں گا۔ پھر انھیں موئے مبارک کا وسیلہ بنا کر ہر میدان کارزار میں اترتا ہوں اور مجھے پورا اعتقاد ہے کہ انھیں

موئے مبارک کے وسیلہ اور برکتوں سے ہر میدان جیت لیا کرتا ہوں۔

محترم حاضرین کرام! اسی لیے رب تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ".

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کا وسیلہ اختیار کرو۔

اور یہاں وسیلہ سے مراد جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور ان کے غلاموں کی ذات ہے۔

کچھ وہ لوگ جن کے دل دولت ایمان سے خالی ہیں۔ وہ کہتے ہیں: یہاں وسیلہ سے مراد، نماز اور روزہ اور نیک اعمال ہیں۔

محترم حاضرین! غور فرمایئے۔ اگر وسیلہ سے نیک اعمال ہی مراد لیے جاتے تو وہ مسلمان جنھوں نے زندگی بھر نیک اعمال نہ کیے۔ یا وہ مسلمان جو پیدا ہوتے ہی مر گئے تو ان کے لیے مغفرت کا کیا سبب ہوگا۔

لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہاں پر وسیلہ سے مراد حضور اور ان کے غلاموں کی ذات گرامی ہے۔

محترم حاضرین کرام! کل میدان قیامت میں جب کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ کوئی کسی کو پہچانتا نہ ہوگا۔ نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ جب ہر نبی اور ہر رسول کی زبان پر "اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ" کی صدا ہوگی۔ اس وقت صرف حضور کے وسیلہ سے ہی اور انھیں کی شفاعت سے مسلمان کو بخش دیا جائے گا۔

اسی لیے امام اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ واہ

وآخر دعوانا والحمد لله رب العالمين

☆☆☆☆☆

شان اولیا

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمْ

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْاَمِیْنُ الْمَکِیْنُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنْ.

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ تقریریں
جو ہو ذوق عمل پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

محترم حاضرین کرام! آیئے سب سے پہلے ہم اور آپ انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ آقائے نامدار مدنی تاجدار دونوں عالم کے مالک ومختار جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار گہر بار میں ہدیۂ درود پیش کریں، پڑھیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ.

محترم حاضرین کرام! رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے دنیا والو!

اے روئے زمین پر زندگی بسر کرنے والو! ہوشیار ہو جاؤ میرے ولیوں کو، میرے محبوبوں کو، میرے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے نہ کوئی غم، میرے ولی وہ ہیں جو مومن کامل اور متقی کامل ہیں۔

رفیقان گرامی! آج دنیا والوں نے عروج وارتقا کی بہت سی منزلیں طے کرلی ہیں۔ آج دنیا والوں نے فضاؤں کو مسخر کرلیا ہے۔ پرندوں کی طرح ہواؤں میں پرواز کرنا، مچھلیوں کی طرح سمندر کا سینہ چیر کر ایک ملک کے ساحل سے دوسرے ملک کے ساحل تک محو سفر ہونا، آج یہ انسان کا ایک معمولی کارنامہ ہے۔ چاند کی سرزمین کو اپنے قدموں سے روند دینا اور اپنی فتح ونصرت کا پرچم نصب کرنا ماضی کی داستانیں بن چکی ہیں۔

لیکن آج ان سارے عروج وارتقا کے باوجود انسان سہما ہوا، لرزاں اور ترساں نظر آتا ہے۔ ہر چہرے پر غم والم کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں۔ ہر آدمی خوف ودہشت سے لرزہ براندام ہے۔ غریب مالدار سے ڈر رہا ہے۔ مالدار اپنے سے بڑے مالدار سے ڈر رہا ہے۔ کمزور طاقتور سے خوف زدہ ہے۔ چھوٹا ملک بڑے ملک سے لرز رہا ہے۔ آج دنیا میں سب سے طاقتور ملک امریکہ ہے اور دنیا کے سارے ممالک اس کے دست نگر بنے ہوئے ہیں۔

غرض ہر فرد بشر حیران وپریشان خوف زدہ اور غم والم کا شکار ہے۔ دنیا والوں نے خوف ودہشت سے بچنے کے لیے یہ نسخۂ کیمیا تجویز کیا کہ اگر خوف ودہشت سے بچنا ہو تو اپنے سے بڑے کی پشت پناہی حاصل کرلو ان کے دامن کرم کو تھام لو تو غم والم سے اور خوف ودہشت سے نجات مل جائے گی اسی لیے دنیا کے سارے ممالک اپنے سے بڑے ملکوں کے سایۂ کرم میں پناہ لیے ہوئے ہیں اور ان کی جی حضوری کرنا اپنا شیوہ بنالیا ہے۔

اس تمہید سے یہ معلوم ہوا کہ خوف ودہشت سے نجات اور غم والم سے

چھٹکارا اسی وقت حاصل ہوگا جب اپنے سے بڑوں کا دامن تھام لیا جائے۔

اب غور فرمایئے! کہ اللہ سب سے بڑا ہے وہ قادر مطلق ہے وہ سارے عالم کا پروردگار ہے۔ اس کے سایۂ کرم میں جو آجائے جو اس کا دوست بن جائے تو اسے دنیا کی کون سی طاقت خوف زدہ کرسکتی ہے۔ کون سا غم اسے لاحق ہوسکتا ہے۔

حضرات گرامی! بہت مشہور واقعہ ہے جو بچے بچے کی زبان پر ہے جسے ہر کوئی جانتا ہے کہ جب حضرت غوث اعظم محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنی اعلیٰ تعلیم کے لیے قصبہ جیلان سے بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں داخلہ کے لیے اپنی والدہ سے اجازت لے کر چلے تو ان کی والدۂ مکرمہ نے اخراجات کے لیے چالیس دینار ان کے پوستین میں سل دیے اور ارشاد فرمایا: کہ بیٹا چاہے کتنی ہی بڑی مصیبت کیوں نہ ٹوٹ پڑے مگر جھوٹ نہ بولنا۔

اس نصیحت کے ساتھ حضرت شیخ بغداد کے قافلے کے ساتھ بغداد کے لیے روانہ ہوئے ابھی یہ قافلہ راستے ہی میں تھا کہ ڈاکوؤں نے اس قافلہ کو گھیر کر، لوٹ مار کا بازار گرم کردیا۔ قافلے کا ہر آدمی ڈاکوؤں کے خوف سے لرزہ براندام ہے۔ مال و دولت کے لٹنے کے خیال سے رنج والم کی تصویر بنا ہوا ہے۔ ہر آدمی اپنا مال بچانے کے لیے ڈاکوؤں سے جھوٹ بول رہا ہے پھر بھی ڈاکو ہر ایک کی تلاشی لے کر ان کے مال و دولت کو لوٹ رہے ہیں۔ اتنے میں ایک ڈاکو حضرت عبدالقادر کے پاس آیا اور پوچھا:

اے بچے! کیا تیرے پاس بھی کچھ ہے؟

تو حضرت شیخ نے فرمایا: بے شک میرے پاس چالیس دینار ہیں، جس کو میری ماں نے میری پوستین میں سل دیا ہے۔

ڈاکو نے یہ سمجھا کہ یہ بچہ ہم سے مذاق کررہا ہے اس کو ہماری حیثیت کا

اندازہ نہیں یہ سوچتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا، اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ایک دوسرا ڈاکو آیا اس نے بھی یہی پوچھا کہ بچے تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس ڈاکو کو بھی حضرت نے یہی جواب دیا وہ بھی سمجھا بچہ مذاق کر رہا ہے، غرض اسی طرح چالیس ڈاکو یکے بعد دیگرے آتے رہے اور ان سے سوال کرتے رہے وہ سب کو یہی جواب دیتے رہے۔

ذرا غور فرمائیے! کہ ہر آدمی ڈاکوؤں کے خوف سے لرزہ براندام ہے مال جانے کے غم میں رنج والم کی تصویر بنا ہوا ہے، جھوٹ بول بول کر اپنے مال و دولت کی حفاظت کرنا چاہتا ہے، جبکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی جو ابھی بچے ہیں بلاخوف وخطر سچ بولتے جارہے ہیں۔ حالانکہ بچے تو کتے اور بلی سے خوف زدہ ہوجاتے ہیں، چھوٹے چھوٹے جانوروں سے ڈر جاتے ہیں، لیکن غوث اعظم ہیں کہ اپنی بے خوفی کا مظاہرہ فرمارہے ہیں۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ڈاکوؤں نے جب لوٹ مار سے فرصت پائی۔ سارا مال ڈاکوؤں کے سردار کے سامنے اکٹھا کیا گیا اور اسے آپس میں تقسیم کرنا چاہا تو ایک ڈاکو نے اپنے سردار سے حضرت شیخ کا واقعہ بیان کیا اور اس واقعہ کی تصدیق دوسرے ڈاکوؤں نے بھی کی کہ سردار وہ بچہ ہے لیکن ہم سے خوف زدہ نظر نہیں آتا اور کہتا ہے کہ میری پوستین میں چالیس دینار سلے ہوئے ہیں۔

سردار نے کہا: اس بچے کو ہمارے سامنے پیش کیا جائے، ڈاکوؤں نے انہیں پکڑ کر سردار کے سامنے پیش کیا۔

سردار نے پوچھا: کیوں بچے تمہارے پاس کچھ ہے؟

تو حضرت شیخ عبدالقادر نے فرمایا: بے شک میرے پاس چالیس دینار ہیں

جنہیں چلتے وقت میری ماں نے میرے خرچ کے لیے میری پوستین میں سل دیئے تھے۔
سردار نے حکم دیا اس بچے کی پوستین اتار کر اس کی تلاشی لی جائے۔ ڈاکوؤں نے پوستین اتروا کر اس کے استر سے چالیس دینار برآمد کر لیے۔
سردار نے کہا: بچے تم نے سچ بول کر یہ مصیبت اپنے سر کیوں مول لی؟ تم چاہتے تو یہ دینار بچا لیتے۔
حضرت شیخ عبدالقادر نے فرمایا: کہ اے سردار سن لو! کہ چلتے وقت میری ماں نے مجھ سے یہ وعدہ لیا تھا کہ بیٹا کچھ بھی ہو جائے حق وصداقت سے کام لیتے رہنا اور جھوٹ نہ بولنا۔ لہٰذا تم ہی بتاؤ کہ چالیس دینار کی حقیر رقم کے لیے اپنی والدہ سے کیا ہوا وعدہ کیسے توڑ دیتا؟
اتنا سننا تھا کہ سردار کے دل میں ایک ہلچل پیدا ہوئی، ایک انقلاب آ گیا، دل نے آواز دی: اے سردار! اس بچے نے اپنی والدہ سے کیے ہوئے وعدہ کی کیسے حفاظت کی تم نے بھی تو روز ازل اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا تھا کہ اے پروردگار عالم دنیا میں جانے کے بعد تیری فرمانبرداری میں زندگی گزاروں گا اور اس عہد کی حفاظت کروں گا۔ لیکن ہائے افسوس! میں نے اس عہد کا کبھی پاس ولحاظ نہیں کیا اور اللہ کی نافرمانی میں زندگی گزارتا رہا۔
سردار نے کہا: اے بچے! اپنا ہاتھ لاؤ میں تمہارے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ آج سے شریعت کے خلاف ایک قدم نہ اٹھاؤں گا اور جو وعدہ روز ازل میں کیا تھا اس پر کاربند رہوں گا۔
سردار نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اے دوستو! آج سے ہمارے اور تمہارے راستے الگ ہیں، تم جو چاہو کرو تمہیں اختیار ہے، میں شریعت کے مطابق زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔
ان ڈاکوؤں نے جواب دیا: اے سردار! جب تم گناہ کی تاریک راہوں میں

چل رہے تھے تو ہم تمہارے ساتھ تھے۔

جب تم جہنم کی راہ پر گامزن تھے تو ہم تمہارے ساتھ تھے۔

اور اب جبکہ تم نیک راستے کے مسافر بن گئے اور جنت کی راہ پر آگئے تو ہم سے کہتے ہو کہ مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ ہم بھی اس حق پرست بچے کے ہاتھ پر توبہ کر کے تمہارے ساتھ رہیں گے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ وہ چالیسوں ڈاکو اپنے وقت کے ولی کامل ہو گئے۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

محترم حاضرین! غوث اعظم کی ایک نگاہ نے ڈاکوؤں کی تقدیر بدل دی۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے ولی کسی سے خوف زدہ نہیں ہوا کرتے کیوں کہ وہ اللہ کے محبوب ہوتے ہیں اور اللہ کی پشت پناہی میں اپنی زندگی گزارتے ہیں۔

"مَنْ کَانَ لِلّٰہِ فَکَانَ اللّٰہُ لَہٗ"

جو اللہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو اپنے ولیوں کو اپنا تقرب عطا فرماتا ہے تو اللہ اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ کام کرتا ہے۔ اس کا پیر ہو جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے۔ اس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے۔ اس کی آنکھیں بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے۔ یعنی یہ سارے اعضاء اللہ کی قدرت کے مظہر بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں کو اتنی طاقت اور اتنا اختیار عطا فرما دیتا ہے کہ وہ نظام کائنات میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرتا ہے۔ وہ طوفانوں کا رخ موڑ دیتا ہے۔ ہواؤں پر اس کی حکومت، فضاؤں پر اس کی حکمرانی اور دن ورات پر اس کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ جب کوئی بندہ اتنا با اختیار اور اتنا طاقتور ہو جائے تو وہ بھلا کسی

سے کیوں خوف زدہ ہو۔

جو ان کے منہ سے نکلی وہ بات ہو کے رہی
فقط اشاروں میں سب کی نجات ہو کے رہی
جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا
جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

محترم حاضرین کرام! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عطائے رسول حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ اجمیر مقدس کی سرزمین پر رسول کے نائب اور اللہ کی قدرت کے مظہر بن کر تشریف لائے تو اجمیر کے راجہ نے اپنی تمام توانائیوں اور طاقتوں کے ساتھ حضرت خواجہ غریب نواز کی مخالفت کی اور اپنا رعب و دبدبہ اور اپنی ہیبت قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ مگر حضرت خواجہ غریب نواز پر اس کے رعب وجلال کا کوئی اثر نہ پڑا۔

اجمیر کے راجہ نے کبھی انا ساگر کا پانی بند کر کے، کبھی زمین سے بے دخل کر کے، کبھی اپنے بڑے بڑے جادوگروں کو ان پر مسلط کر کے ان کو خوف زدہ کرنا چاہا، مگر یہ اللہ کے ولی رسول کے نور نظر خواجہ غریب نواز راجہ کی تمام طاقتوں اور قوتوں کو شکست فاش دے کر اللہ کے دین کا کام کرتے رہے۔

راجہ نے جب ان پر انا ساگر کا پانی بند کیا تو حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے ایک پیالے میں انا ساگر کا پورا پانی سمیٹ لیا۔ راجہ کے جادوگر جوگی جیپال نے اپنی جادوگری کا کرتب دکھایا تو حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنی کھڑاؤں کے ذریعہ اس کے سر پر ٹھوکریں مار مار کر اس کی جادوگری کا نشہ اتار دیا اور یہ ظاہر فرمادیا کہ ہندوستان کا نظام بارگاہ مصطفیٰ سے مجھے عطا کیا گیا ہے، میں اس کی آب وہوا کا بھی مالک ہوں اور اس کی زمین پر بھی میرا ہی قبضہ ہے، یہاں کے راجہ اور مہاراجہ کا کوئی خوف میرے اوپر مسلط نہیں ہوسکتا۔

حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنی عطائی طاقت وقوت سے یہ ظاہر فرما دیا کہ میں اللہ کا ولی ہوں اللہ کا دوست ہوں اس لیے مجھ پر نہ کسی کا خوف غالب آسکتا ہے اور نہ میں غم والم کا شکار ہوسکتا ہوں۔

محترم حاضرین! اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں لوگوں کو اس بات پر تنبیہ اور ہوشیار کر دیا ہے کہ

''یہ میرے محبوب بندے میرے دوست ہیں اس لیے ان پر خوف غالب کرنے کی کوشش نہ کرنا''۔

محترم حاضرین! آپ خوب جانتے ہیں کہ آگاہ اور ہوشیار اس چیز سے کیا جاتا ہے، جہاں پر خطرہ ہو اور فائدہ بھی ہو۔ آپ دیکھتے ہیں کہ جہاں سے بجلی کا پاور سپلائی کیا جاتا ہے وہاں پر ایک بکس ہوتا ہے جس کے اندر بجلی کی سپلائی کے کنکشن ہوتے ہیں۔ اس بکس کے اوپر لال رنگ سے لکھ دیا جاتا ہے:

''ہوشیار، ساوٗدھان''

اس کا مطلب آپ خوب جانتے ہیں کہ اس ڈبہ کے اندر بجلی کے سارے کنکشن موجود ہیں۔ اگر اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی جائے گی اور اسے غلط طریقہ سے استعمال کیا جائے گا تو جان چلی جائے گی۔ آن واحد میں اس کو غلط استعمال کرنے والا راہی ملک عدم ہو جائے گا اور اگر اسے قاعدہ اور قانون کے مطابق سلیقے اور طریقے سے استعمال کیا جائے گا تو اسی بجلی کے ذریعے ہمیں روشنی بھی ملے گی ٹھنڈی ہواؤں کا لطف بھی اٹھائیں گے اور اپنی ضروریات کی ساری چیزیں پیدا کرلیں گے۔

اسی طرح اللہ نے فرمایا: کہ اے دنیا والو! ہوشیار ہو جاوٗ خبر دار ہو جاوٗ کہ یہ میرے ولی ہیں، میرے محبوب ہیں، میرے دوست ہیں، اگر ان کی بارگاہ میں گستاخ بن کر آؤ گے ان کی عظمتوں سے چھیڑ چھاڑ کروگے اور ان کی بزرگی پر

تنقیدیں کروگے تو تمہارا ایمان جانے کا بھی خطرہ ہوگا اور دنیا کی تباہی اور بربادی بھی لکھ دی جائے گی۔ تمہیں آسمان سے تحت الثریٰ میں پہنچا دیا جائے گا اور اگر میرے ان محبوبوں کی بارگاہ میں ادب کے سانچے میں ڈھل کر آؤ گے، تواضع اور انکساری کا دامن تھام کر آؤ گے، ان کی عقیدت ومحبت کی شمع اپنے دل میں روشن کر کے آؤ گے تو تمہیں ان کی بارگاہ سے اولاد بھی ملے گی، مال بھی ملے گا، عزت و وقار کے پیکر بن جاؤ گے، ان کے ایک اشارۂ ابرو سے زمین سے آسمان پر پہنچ جاؤ گے اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جاؤ گے۔

گویا "اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ" کہہ کر نسل انسانی کو اس بات کا حکم دیدیا گیا ہے کہ میرے ولیوں سے محبت کرو اور ان کی عظمت اپنے دل میں بٹھاؤ ان پر اپنا رعب ودبدبہ غالب کرنے کی کوشش مت کرو۔ رنج والم پہنچانے کی جسارت مت کرو۔ کیوں کہ یہ میرے دوست ہیں ان کا تو کچھ نہ بگڑے گا لیکن تم تباہ وبرباد ہو جاؤ گے۔ کیوں کہ یہ میری قدرتوں کے مظہر ہیں۔ یہ بولتے ہیں تو ان کی زبان سے میری قدرتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ سنتے ہیں یا کچھ کرتے ہیں تو میری دی ہوئی طاقت سے کرتے ہیں۔

محترم حاضرین کرام! ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کے دن مسجد نبوی کے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے ہیں اور مدینے سے چار سو کلو میٹر دور مقام نہاوند میں ایک اسلامی لشکر حضرت ساریہ کی سپہ سالاری میں مصروف جنگ ہے ادھر حضرت فاروق اعظم نے خطبہ دیتے دیتے ارشاد فرمایا:

"یَا سَارِیَۃُ اَلْجَبَلُ یَا سَارِیَۃُ اَلْجَبَلُ"

اے ساریہ! پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف دیکھو۔

مسجد نبوی میں تمام حاضرین حیرت واستعجاب میں پڑ گئے کہ آخر یہ کیا معاملہ ہے کہ جمعہ کے خطبہ میں حضرت ساریہ کو آواز دی جارہی ہے۔ حضرت ساریہ تو یہاں

سے چار سو کلو میٹر دور مقام نہاوند میں عظمت اسلام کا پرچم لہرانے کے لیے اپنے سر فروش لشکر کے ساتھ داد شجاعت دے رہے ہوں گے۔ تلواریں چمک رہی ہوں گی۔ تیروں کی برسات ہو رہی ہوگی۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین کا سینہ دہل رہا ہوگا۔ لوگ اپنے سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہوں گے اور حضرت عمر یہاں حضرت ساریہ کو آواز دے رہے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اتنی دور سے ان کو کیوں پکارا جا رہا ہے۔ مگر حضرت عمر کے رعب وجلال کی وجہ سے لوگوں کو پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

چند ہی دنوں کے بعد حضرت ساریہ جنگ فتح کر کے اسلام کا پرچم لہرا کے اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ واپس آئے لوگوں نے آگے بڑھ کر پر زور استقبال کیا اور فتح وظفر کی مبارک باد پیش کی۔

کچھ لوگوں نے حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کہ اے ساریہ! یہ تو بتاؤ کہ جمعہ کا دن ہے مسجد نبوی کے منبر پر کھڑے ہو کر حضرت عمر خطبہ دے رہے ہیں اور درمیان خطبہ ارشاد فرماتے ہیں: اے ساریہ! پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف دیکھو۔ آخر یہ کیا معاملہ تھا؟

حضرت ساریہ نے لوگوں کو بڑی حیرت کے ساتھ یہ بتایا: کہ اے دوستو! میں خود سوچ رہا تھا کہ آخر میدان کارزار گرم ہے، گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے کہ اتنے میں کسی نے مجھے پکارا کہ اے ساریہ پہاڑ کی طرف دیکھو۔ میں نے پیچھے مڑ کر پہاڑ کی طرف دیکھا تو میں دہشت زدہ ہو کر رہ گیا۔ کیوں کہ میرے لشکر کے پیچھے پہاڑ کی جانب سے دشمنوں کا ایک زبردست لشکر نمودار ہوا۔ ہمارے آگے بھی دشمن کا لشکر اور پیچھے بھی دشمن کا ایک لشکر۔ قریب تھا کہ ہمیں یہ دونوں لشکر چکی کے پاٹ کی طرح پیس کر رکھ دیتا اور ہم ذلت ورسوائی کے ساتھ شکست فاش کھا جاتے۔ میں نے فوراً اپنے لشکر کے دو حصے کیے ایک حصے کو آگے بڑھایا، دوسرے والے لشکر کو پیچھے کی طرف حملہ کرنے کا حکم دیا۔ معرکہ کارزار گرم ہو گیا۔ دشمنان

اسلام تہ تیغ ہوگئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہم دشمنوں کے اس عظیم لشکر پر غالب آگئے۔ فتح ونصرت نے ہمارے قدم چوم لیے۔

حضرت ساریہ نے ارشاد فرمایا: اے رسول اکرم کے پیارے صحابیو! میں سوچ رہا تھا اور حیرت میں تھا کہ آخر یہ مجھے کون پکار رہا ہے؟ مجھے یہ کس نے آواز دی ہے؟ آج یہ معمہ حل ہوگیا کہ مجھے آواز دینے والے حضرت عمر فاروق تھے۔ جو مسجد نبوی کے منبر سے مجھے پکار رہے ہیں اور میں چار سو کلو میٹر کی دوری پر ان کی آواز سن رہا ہوں۔

محترم حاضرین کرام! غور فرمایئے کہ اللہ ورسول کے محبوبوں کی یہ مقدس ذات نظام کائنات میں کس قدر دخیل ہیں کہ آواز مدینے سے دی جارہی ہے اور بغیر کسی وسیلے اور ذریعے کے چار سو کلو میٹر دور سے سنی جارہی ہے اور جب کوئی بندہ اللہ کی قدرت سے اتنا با اختیار اور با اقتدار ہو جائے گا تو اس کو کسی کا خوف کیوں ہوگا؟ اور کسی بات سے رنج والم کا شکار کیوں ہوگا؟۔

اسی لیے اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ كَانَ لِلّٰهِ فَكَانَ اللّٰهُ لَهٗ"

جو اللہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

ان ولیوں کی شان یہ ہوتی ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لیے کرتے ہیں۔ ان کا ہر قدم اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں اٹھتا ہے۔ ان کے پیش نظر صرف اللہ کی خوشنودی ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اپنی کرامتوں کے ذریعے لوگوں پر اپنا رعب نہیں جمانا چاہتے۔ ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اور حضور کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ گذارے۔

محترم حاضرین کرام! ایک بار ایک دریا کے کنارے حضرت رابعہ بصریہ اپنا

مصلیٰ بچھا کر نماز میں مصروف ہیں کہ اتنے میں اس راہ سے حضرت حسن بصری کا گذر ہوا تو دیکھا کہ حضرت رابعہ بصریہ دریا کے کنارے مصلیٰ بچھا کر نماز ادا کر رہی ہیں۔تو حضرت حسن بصری نے اپنی عظمت و برتری ظاہر کرنے کے لیے اپنا مصلیٰ حضرت رابعہ بصریہ کے آگے دریا کے پانی پر بچھا کر نماز شروع کر دی۔ حضرت رابعہ بصریہ نے جب حضرت حسن بصری کو پانی پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھتے دیکھا تو ان کو جلال آگیا اور انھوں نے اپنا مصلیٰ حضرت حسن بصری کے آگے ہوا پر بچھا کر نماز شروع کر دی۔نماز پوری کر کے سلام پھیر کر حضرت حسن بصری سے ارشاد فرمایا: اے حسن! پانی پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنا اور ہوا پر مصلیٰ بچھا کر نماز ادا کرنا یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔اگر پانی پر مصلیٰ بچھانا کمال ہوتا تو ہم سے زیادہ باکمال تو مچھلیاں ہوتی ہیں کیوں کہ وہ اپنی پوری زندگی پانی میں گذار دیتی ہیں۔اگر ہوا پر مصلیٰ بچھانا کمال ہوتا تو ہم سے زیادہ باکمال تو پرندے ہوتے ہیں جو ہردم ہواؤں میں پرواز کرتے ہیں۔کمال تو صرف یہ ہے کہ اللہ کی عبادت میں اپنی زندگی گذاری جائے اور اللہ کی خوشنودی کو اپنا نصب العین بنالیں۔

اس واقعہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ جو اللہ والا ہوتا ہے اس کی حکمرانی ہوا پر بھی ہوتی ہے اور پانی پر بھی۔

چنانچہ بلخ کے بادشاہ حضرت ابراہیم ادہم بلخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو دن میں حکومت کا کام دیکھتے تھے اور رات میں اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ جن کی حکمرانی کا دبدبہ ہر انسان کے دل پر قائم تھا۔جو عدل وانصاف کے پیکر تھے اور زہد واتقا کے علم بردار۔

ایک مرتبہ رات میں اپنے محل کی چھت پر عبادت میں مصروف تھے کہ اچانک انہیں ایک آدمی محل کی چھت پر ٹہلتا ہوا نظر آیا آپ نے مصلے پر بیٹھے بیٹھے آواز دی کہ کون شخص ہے اور یہاں کیوں ٹہل رہا ہے؟

اس نے جواب دیا: عالم پناہ میرا اونٹ کھو گیا ہے۔ اسی کو تلاش کرنے میں آپ کے محل کی چھت پر آیا ہوں۔

حضرت ابراہیم ادہم بلخی نے فرمایا: بے وقوف آدمی یہ شہنشاہ وقت کا محل ہے۔ یہاں کوئی پرندہ میری اجازت کے بغیر پر نہیں مار سکتا۔ پھر تمہارا اونٹ میرے محل کی چھت پر کیسے آسکتا ہے؟ اگر تمہارا اونٹ کھو گیا ہے تو اسے کسی جنگل میں کسی ریگستان میں یا کسی دریا کے کنارے تلاش کرو، اس محل کی چھت پر وہ کیسے آسکتا ہے؟۔

اس شخص نے جواب دیا: کہ حضور والا اگر میرا اونٹ آپ کے محل کی چھت پر نہیں مل سکتا تو سن لیجئے! کہ آپ خدا کی تلاش میں ہیں اور اس محل میں آپ کو خدا بھی نہیں مل سکتا۔ اگر خدا کی جستجو ہے تو تخت شاہی سے دست بردار ہو جایئے۔ دنیا داری اور حکمرانی سے ناطہ توڑ دیجئے۔ صرف اللہ وحدہ لاشریک سے تعلق قائم کر لیجئے۔ آپ کو خدا مل جائے گا۔ اتنا کہہ کر وہ شخص نظروں سے غائب ہو گیا۔

حضرت ابراہیم ادہم بلخی نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی فرشتہ تھا جو میری ہدایت و رہنمائی کے لیے میرے محل کی چھت پر آیا تھا۔ حضرت ابراہیم بلخی نے اسی وقت شاہی لباس اتارا، پرانے کپڑے پہنے، گدڑیوں کی ایک پوٹلی تیار کی اور محل کے خفیہ دروازے سے باہر آئے اور اللہ کی جستجو میں جنگل و بیابان میں خاک چھاننے نکل پڑے۔

صبح کے وقت بادشاہ کی گم شدگی کا چرچہ ہوا ہر آدمی حیران و پریشان کہ حضرت ابراہیم بلخی کہاں گئے۔ حکومت کے کارندوں کی ایک جماعت ان کی تلاش و جستجو میں نکل پڑی۔ تلاش کرتے کرتے ایک دریا کے کنارے پہنچے دیکھا کہ حضرت ابراہیم بلخی پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے ایک گدڑی سل رہے ہیں۔ کارندوں نے جب ان کی یہ حالت دیکھی ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

انھوں نے عرض کیا: حضور! ہم سے کیا خطا ہوئی؟ جو آپ ناراض ہو کر چلے

آئے اور اس ناگفتہ بہ حالت میں یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ رعایا پریشان ہے۔
حکومت کا کام رکا ہوا ہے۔ ہر آدمی آپ کی جدائی سے غم والم کی تصویر بنا ہوا ہے۔
چلئے تخت شاہی سنبھالیے۔

حضرت ابراہیم بلخی نے ارشاد فرمایا: اے حکومت کے کارندو! جاؤ کسی کو اپنا بادشاہ بنالو اور حکومت کے کاروبار سنبھالو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔

حکومت کے کارندے بضد ہوگئے کہ حضور آپ کو چلنا ہی پڑے گا سارے لوگ آپ کی راہوں میں آنکھیں بچھائے کھڑے ہیں۔ آپ کو چلنا ہی پڑے گا ورنہ ہم لوگ یہاں سے نہ جائیں گے۔

حضرت ابراہیم بلخی نے فرمایا: اگر تم لوگ بضد ہو تو میں ایک شرط پر چلنے کے لیے تیار ہوں اور وہ شرط یہ ہے کہ یہ میری سوئی جسے میں دریا میں پھینک رہا ہوں اسے تلاش کر کے مجھے واپس دیدو تو میں واپس چلنے کے لیے تیار ہوں۔

یہ کہہ کر حضرت ابراہیم ادہم بلخی نے اپنی سوئی دریا میں پھینک دی۔ اس سوئی کو تلاش کرنے کے لیے ملک کے بڑے بڑے غوطہ خوروں کو بلایا گیا ان لوگوں نے غوطہ لگا کر سوئی تلاش کی دیر تک جستجو کرتے رہے۔ دریا کی تہ میں سوئی تلاش کرتے رہے۔ سارے غوطہ خور تھک ہار کر بیٹھ گئے اور اپنی عاجزی اور ناکامی کا اظہار کرنے لگے۔

تب حضرت ابراہیم ادہم بلخی نے ارشاد فرمایا: کہ تم لوگ ایک سوئی تلاش کرنے سے عاجز آگئے اب میری حکمرانی کا عالم دیکھو یہ کہتے ہوئے آپ نے فرمایا: کہ اے دریا کی مچھلیو! میری سوئی مجھے واپس کردو اتنا کہنا تھا کہ پانی کی سطح پر بے شمار مچھلیاں نمودار ہوئیں اور ہر ایک کے منہ میں سونے کی سوئی لگی ہوئی تھی حضرت ابراہیم نے فرمایا: اے مچھلیو! مجھ کو سونے کی سوئی نہیں بلکہ مجھے اپنی لوہے کی سوئی چاہیے۔ اتنا کہنا تھا کہ تمام مچھلیاں پانی میں روپوش ہوگئیں اور تھوڑی ہی

دیر کے بعد ایک بڑی سی مچھلی اپنے منہ میں حضرت ابراہیم ادہم کی سوئی دبائے ہوئے ساحل پر آئی اور اسے خشکی پر پھینک کر ساحل پر چلی گئی۔

حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا: اے میرے مصاحبو! کل تک میری حکومت کا دائرہ صرف انسانوں تک تھا اور اب میری حکومت انسانوں کے دل پر اور ہر بحر وبر پر ہے۔ آج میں جانوروں پر بھی حکمرانی کر رہا ہوں میں اتنی بڑی حکومت چھوڑ کر اس چھوٹی سی حکومت کو لے کر کیا کروں گا۔

محترم حاضرین! اس واقعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ جو لوگ اپنی ذات کو اللہ میں فنا کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں بحر وبر کا خشک وتر کا شجر وحجر کا حکمراں بنا دیتا ہے ''مَنْ کَانَ لِلّٰہِ فَکَانَ اللّٰہُ لَہٗ''۔

معلوم ہوا کہ جب کوئی اللہ کی طرف سے حکمراں بنا دیا جاتا ہے اور اس کے دل میں اللہ اور رسول کی محبت جاگزیں ہو جاتی ہے تو ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف غالب آتا ہے اور نہ حکومت اور نہ مال واسباب کے چھوٹ جانے کا غم ہوتا ہے۔ ہر دم اللہ ان کا مددگار اور ان کا پشت پناہ ہوتا ہے۔ جو بھی اللہ کے ان ولیوں سے دشمنی کرتا ہے وہ دراصل اللہ سے دشمنی کرتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: حدیث قدسی ہے، فرماتا ہے:

''مَنْ عَادَ لِیْ وَلِیًّا فَاٰذَنتَہٗ بِالْحَرْبِ''

یعنی جو میرے ولیوں سے دشمنی کرتا ہے وہ مجھ سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔

دنیا میں کون ہے؟ جو اللہ سے جنگ کر سکتا ہے۔ کس کے پاس وہ طاقت ہے۔ کہ اللہ کا چیلنج قبول کرے۔ اللہ کے ولیوں اور دوستوں سے دشمنی کرنے والوں کا انجام ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔

کوئی دریائے نیل میں غرق ہوا۔

کوئی اپنی بنائی ہوئی جنت میں دھنس کر تباہ و برباد ہو گیا۔
کسی کو ایک معمولی سے مچھر نے جہنم کے حوالے کر دیا۔
تاریخ کے صفحات اس بات کے گواہ ہیں کہ جن لوگوں نے بھی اللہ کے ولیوں سے دشمنی مول لی ان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی سزا دی کہ قیامت تک کے لیے عبرت کے نشان بن گئے۔

محترم حاضرین! تاریخ ہند کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں تغلق خاندان کا ایک بادشاہ گذرا ہے۔ جس کا نام غیاث الدین تغلق ہے اس کو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے حسد تھا۔ وہ یہ دیکھ کر کہ ان کے دربار میں امیروں، غریبوں، فقیروں کا مجمع لگا رہتا ہے۔ عقیدت مندوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔ جانثاروں اور فداکاروں کا میلا لگا رہتا ہے۔

یہ دیکھ کر وہ پیچ و تاب کھاتا وہ سوچتا کہ نظام الدین اولیاء کے دربار کی جو رونق ہے، جو شان و شوکت ہے اور جو چہل پہل ہے وہ رونق میرے دربار میں کیوں نہیں۔ اس نے سوچا کہ جب تک دلی میں نظام الدین اولیاء موجود رہیں گے اس وقت تک میرے دربار کا یہی حال رہے گا۔ لہٰذا انہیں دلی سے نکالنا چاہیے۔ لیکن نکالنے کی ہمت نہ پڑی کہ کہیں ان کے نکالنے سے ملک میں بغاوت نہ پھیل جائے۔ لہٰذا خاموشی سے یہ سب دیکھتا رہتا اور جلتا رہتا۔

اسی درمیان بنگال میں بغاوت پھوٹ پڑی غیاث الدین تغلق ایک لشکر جرار لے کر بنگال پہنچا اور باغیوں کا سر کچل کر رکھ دیا اور اپنی حکومت کو مستحکم کر کے واپس لوٹا اس نے سوچا کہ اتنی بڑی بغاوت جب میں ختم کر سکتا ہوں تو نظام الدین اولیاء کو دلی سے نکال کیوں نہیں سکتا۔

غیاث الدین تغلق فتح کے نشے میں چور ہو کر دلی کی طرف بڑھا اور دلی کے باہر اپنا خیمہ نصب کر کے قیام پذیر ہوا۔ ایک قاصد کو بلا کر کہا کہ جاؤ نظام الدین

سے کہہ دو کہ غیاث الدین بنگال فتح کر کے دلی کے دروازے پر آچکا ہے۔ لہٰذا اے نظام الدین! اپنی خیریت چاہتے ہو تو بادشاہ کو دلی میں آنے سے پہلے پہلے دلی کو اپنے وجود سے خالی کر دو۔ ورنہ اگر غیاث الدین آگیا تو بہت ہی ذلت و رسوائی کے ساتھ آپ کو دلی سے نکال دے گا۔

قاصد بادشاہ کا یہ پیغام لے کر بڑے جاہ وجلال کے ساتھ حضرت نظام الدین اولیاء کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہا: کہ حضور! میں غیاث الدین تغلق کا قاصد ہوں۔ شاہی فرمان لے کر آیا ہوں۔ بادشاہ وقت کا حکم ہے کہ بادشاہ وقت کو دلی میں داخل ہونے سے پہلے پہلے آپ دلی چھوڑ دیں ورنہ بادشاہ آ کر آپ کو ذلیل وخوار بھی کرے گا اور رسوا کر کے آپ کو ملک سے نکال دے گا۔

بادشاہ وقت کا سفیر بادشاہ کا غیظ وغضب میں ڈوبا ہوا فرمان سنا رہا ہے مگر حضرت نظام الدین اولیاء نہ گھبرائے نہ ڈرے اور نہ اس حکم سے لرزہ براندام ہوئے۔ بلکہ اس کے برخلاف حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ مسکرا رہے ہیں۔ ان کے ہونٹوں پر تبسم کی بجلیاں کوندرہی ہیں۔

آپ نے فرمایا: اے قاصد! تم نے فرماں روائے وقت کا حکم سنا دیا۔ جاؤ اور میرا پیغام بھی اس کو سنا دو۔ اس سے کہہ دینا کہ نظام الدین اولیاء نے کہا ہے کہ ''ہنوز دلی دور است'' یعنی ابھی دلی دور ہے۔

قاصد بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور بادشاہ سے کہا حضور آپ کا فرمان سن کر حضرت نظام الدین اولیاء مسکرانے لگے اور کہا کہ جاؤ جا کر کہہ دو کہ ابھی دلی دور ہے۔

اتنا سننا تھا بادشاہ تلملا اٹھا۔ چہرہ آگ بگولہ ہو گیا۔ آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ غصے ہی کے عالم میں وہ اپنے خیمے کی چھت پر چڑھ گیا اور ٹہلنے لگا کہ اچانک خیمے کی طنابیں ٹوٹیں اور آن واحد میں غیاث الدین تغلق خیمے کی چھت سے گرا اور دم توڑ دیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمادیا تھا کہ ابھی دلی دور ہے تو قیامت تک کے لیے غیاث الدین تغلق کے لیے دلی دور ہوگئی۔ اور غور کرنے کی بات ہے کہ یہ جملہ کئی سو سال پہلے حضرت نظام الدین اولیاء کی زبان مبارک سے ادا ہوا تھا لیکن آج تک لوگوں کی زبانوں پر جاری ہے۔

معلوم ہوا کہ ولیوں کی زبان سے ادا ہونے والا جملہ اور ایک ایک لفظ زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ غیاث الدین تغلق کی یہ جنگ حضرت نظام الدین اولیاء سے نہ تھی بلکہ یہ اللہ سے تھی اور اللہ سے جنگ کرنے والا تباہی و بربادی کے غار میں دفن ہو جاتا ہے۔ ارشاد گرامی ہے:

"اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ"

یعنی ہوشیار ہو جاؤ کہ اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے نہ کوئی غم۔

محترم حاضرین! یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ دنیا کے لوگ جب غمگین اور خوف زدہ ہوتے ہیں تو یہ لوگ کیوں نہیں غمگین اور خوف زدہ ہوتے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ ہم نے جب غور کیا تو ہمیں یہ سمجھ میں آیا کہ غم اس وقت ہوتا ہے کہ جب ہم سے کوئی پیاری اور محبوب چیز جدا ہو جائے۔ جیسے اگر کسی کا پیارا بچہ فوت ہو جائے تو اس کو اپنے محبوب بچے کی جدائی کا غم ہوتا ہے۔ وہ روتا ہے بلکتا ہے۔ کیوں کہ اس سے اس کی پیاری اولاد جدا ہوگئی اور جس سے محبت نہ ہو اس کی جدائی سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

معلوم ہوا کہ غم والم محبوب شی کے جدا ہونے سے ہوتا ہے اور خوف اس لیے ہوتا ہے کہ اگر آدمی یہ جان جائے کہ فلاں آدمی مجھ سے طاقتور ہے۔ وہ مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ وہ کمزور آدمی اس طاقتور آدمی سے خوف زدہ ہوتا ہے اور اس کا خوف دل میں بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی وجہ قرآن کی اس آیت میں موجود ہے

کہ "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ" یعنی ولی وہ ہوتے ہیں جو مومن کامل ہوتے ہیں اور متقی کامل ہوتے ہیں۔

اب غور کیجئے! کہ مومن کامل کس کو کہتے ہیں؟

حضور نے ارشاد فرمایا: "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ" یعنی کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کے دل میں میری محبت اس کے والدین سے زیادہ اس کے بال بچوں سے زیادہ اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ نہ ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ مومن کامل کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اگر کوئی ذات ہے وہ محبوب رب العالمین کی ذات ہے۔ اگر کوئی سب سے زیادہ پیارا ہے تو وہ اللہ کا پیارا رسول ہے۔ ایک مومن کامل اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر کے سب کچھ اپنے پیارے رسول کے قدم ناز پر قربان کر کے سکون کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑے غم کی بات مومن کامل کے نزدیک حضور کا جدا ہو جانا ہے۔

اسی لیے تو ہم دیکھتے ہیں کہ جب غزوہ احد میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے۔ تو کچھ لوگوں نے کہا کہ جب حضور ہی نہ رہیں تو ہم جی کے کیا کریں گے۔ اپنی تلواریں پھینک دیں اور جام شہادت نوش فرمالیا۔ کچھ وہ تھے جنہوں نے حضور کی شہادت کی خبر سنتے ہی سر دھڑ کی بازی لگا دی اور اپنی جان قدم ناز پر قربان کر دیا۔ اسی لیے تو اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ:

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

حضور کی شہادت کی خبر جب مدینے تک پہنچی تو حضور کی ایک عاشق عورت حضور کی محبت میں سرشار ہو کر احد کی طرف دوڑ پڑی، راستے میں کسی نے روکا اور

کہا: کہاں جارہی ہو؟ تمہارا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔
اس نے کہا: "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنْ" یہ بتاؤ کہ حضور کا کیا حال ہے؟
اور آگے بڑھی کسی نے کہا: تیرا باپ شہید ہو گیا ہے۔
اس نے کہا: "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنْ" یہ تو بتاؤ حضور کا کیا حال ہے؟
اور آگے بڑھی۔ کسی نے کہا: تیرا بھائی شہید ہو گیا ہے۔
وہ عاشقہ رشتہ داروں کی شہادت کی خبر سنتی رہی اور لوگوں سے حضور کا حال پوچھتی رہی۔ پوچھتے ہوئے میدان کارزار تک پہنچ گئی۔ کسی نے بتایا: حضور زندہ ہیں بقید حیات ہیں۔
اس عورت نے کہا: لے چلو مجھے میں اپنے پیارے رسول کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔ بارگاہ رسالت میں پہنچنے کے بعد حضور کے جلوۂ زیبا پر نظر پڑتے ہی بے اختیار پکار اٹھی:

میرا شوہر شہید ہوا مجھے کوئی غم نہیں۔
میرا باپ قربان ہوا مجھے کوئی غم نہیں۔
میرا بھائی قربان ہوا کوئی رنج و غم نہیں۔

روح کائنات تو زندہ ہیں۔ حاصل ایمان تو زندہ ہیں۔ جن کی محبت کا چراغ ہمارے دلوں میں زندہ ہے۔

ترا غم رہے سلامت مجھے کچھ کمی نہیں ہے

اس واقعے سے پتہ چل گیا کہ مومن وہ ہے جس کے نزدیک حضور کی ذات سب سے زیادہ محبوب اور پیاری ہے۔ لہٰذا اسے کتنا بھی نقصان پہنچ جائے اسے کوئی غم نہ ہوگا۔ کیوں کہ سب سے زیادہ تو محبوب حضور کی ذات گرامی ہے۔
اسی لیے لوگ ان کے نام پر گردنیں کٹا دیتے ہیں۔ تو اللہ کا ولی جب مومن کامل ہے اور اس کے دل میں سب سے زیادہ محبت اللہ کے رسول کی ہے تو سب

کچھ چلا جائے اسے غم نہ ہوگا اسی لیے شاعر کہتا ہے:۔

چھُٹ جائے اگر دامن کونین تو کیا غم
لیکن نہ چھُٹے ہاتھ سے دامان محمد

اورخوف زدہ اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ متقی ہوتا ہے اور متقی اسے کہتے ہیں جس کے دل میں صرف خدا کا خوف سما جائے اور جس کے دل میں صرف خدا کا خوف ہوگا وہ کسی سے خوف زدہ نہ ہوگا اور جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہوگا وہ ہر ایک سے خوف زدہ ہوگا۔ کیوں کہ جس کے دل میں خدا کا خوف سما جاتا ہے اسے یقین کامل ہوتا ہے کہ اللہ سے بڑا کوئی طاقت والا نہیں۔ وہی زندگی اور موت کا مالک ہے۔ وہی ہر شے پر قادر ہے اور جب اس قادر مطلق نے مجھ کو اپنا محبوب اور ولی بنالیا ہے تو وہ ہر محاذ پر اور ہر قدم پر میری حفاظت فرمانے والا ہے اور اس نے مجھ کو بے خوفی کی صفات سے متصف فرمادیا ہے اور مجھے اتنا با اختیار بنادیا ہے کہ میں نظام کائنات میں جو چاہوں تبدیلی کروں۔

اللہ کے ولی کے ایک اشارۂ ابرو پروہ چیزیں بھی عالم وجود میں آجاتی ہیں جن کا وجود عقلاً محال ہوتا ہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی عقیدت ہے تو دیکھ ان کو
ید بیضہ لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

وآخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

صوتِ ہادی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْم
اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم
لَاتَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِی
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ
الْاَمِیْنُ الْمَکِیْنُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ
الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

سب سے پہلے ہم اور آپ سب مل کر آفتاب ہدایت ماہتاب نبوت جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب اقدس میں درود شریف پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلَاۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ.

حضرات گرامی! اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے عظیم سب سے بلند وبالا اور سب سے ارفع واعلیٰ بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا اور آپ ہی کو باعث تخلیق کائنات بنایا۔ لہٰذا ہم اور آپ، یہ زمین کا فرش، یہ آسمان کا شامیانہ، یہ درختوں کی لمبی لمبی قطاریں، یہ سمندروں اور اس کی اٹھتی ہوئی لہریں، یہ نور آفتاب وماہتاب اور آسمان میں یہ جگمگاتے ستارے، غرض یہ ساری کائنات آپ ہی کی وجہ سے عالم وجود میں آئے۔ اللہ نے آپ کو کشور رسالت کا تاجدار بنایا اور آپ کو ساری خوبیاں ساری

عظمتیں عطا فرمائی ہیں اور آپ کو اپنا نائب مطلق بنا کر سارے عالم میں یہ اعلان فرما دیا کہ میرے پیارے رسول کا حکم میرا حکم ہے میرے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری میری اطاعت وفرمانبرداری ہے میرے پیارے رسول کی بارگاہ کا نافرمان میرا نافرمان ہے اس لیے تمام عالم انسانیت کو یہ حکم دیا گیا کہ ان کی اطاعت کرو یہی میری بندگی ہوگی۔

حضرات گرامی! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کا ذکر اتنا بلند فرمایا کہ زمین وآسمان میں ہر جگہ آپ کا ذکر ہو رہا ہے آپ کی عظمتوں کو انتہا تک پہنچانے کے لیے اعلان فرما دیا کہ جب ان کا اخلاق بلند ہے ان کا ذکر بلند ہے ان کی ذات بلند ہے ان کے معجزات بلند ہیں لہٰذا ان کی آواز بھی ساری آوازوں پر بلند رہے گی اس لیے حکم دے دیا:

"لَاتَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِی"

یعنی اے مسلمانو! اپنی آواز کو میرے پیارے رسول کی آواز پر بلند نہ کرو۔

ان کی بارگاہ میں آؤ تو ادب کے سانچے میں ڈھل کر آؤ ورنہ تم سے دولت ایمان چھین لی جائے گی اور تمہیں احساس بھی نہ ہوگا۔

لہٰذا مسلمانو! جب آپ کی آواز کو اللہ نے بلند فرمایا تو اس آواز کو دنیا کی کوئی طاقت دبا نہیں سکتی، یہ وہ آواز ہے جو مشرق میں بھی سنی جائے گی اور مغرب میں بھی، شمال میں بھی سنی جائے گی اور جنوب میں بھی۔

محترم حاضرین! عرب کی سرزمین ایسی زرخیز سرزمین ہے جہاں بڑے بڑے شعراء اور بڑے بڑے ادباء پیدا ہوئے، جن کی فصاحت وبلاغت اور جن کی زبان آوری کا ڈنکا چہار دانگ عالم میں بج رہا تھا۔ ایک ایک نشست میں فی البدیہہ اشعار کے انبار لگانے والے شعراء پیدا ہوئے جو اپنے سامنے ساری دنیا کے لوگوں کو گونگا اور بہرا سمجھتے تھے۔ جن کو اپنی فصاحت وبلاغت پر بڑا ناز تھا۔ جو

کسی کی ہجو کرنے پر آتے تو اس کو تحت الثریٰ تک پہنچا دیتے۔ جن کا ایک ایک جملہ ایک ایک اشعار تاریخ کے صفحات میں اپنی جگہ بنا لیتے تھے۔

لیکن جب میرے آقا جو فصاحت و بلاغت کے تاجدار ہیں، جن کی آواز کو اللہ نے بلندی عطا فرمائی ہے۔ انھوں نے جب دنیائے عرب میں اپنی آواز بلند کی اور جب بولنا شروع کیا تو عرب کے بڑے بڑے فصحا اور بلغا کی فصاحت و بلاغت کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔

آپ کی زبان مبارک سے ادا ہونے والی ہر آواز لوگوں کے کانوں کے پردوں سے ٹکرا کر دل کی گہرائیوں میں اترتی چلی گئیں۔

آپ کی آواز نے دنیا میں وہ انقلاب برپا کیا کہ جو آپ کا جانی دشمن تھا جانثار بنتا نظر آیا، آپ کے سامنے عرب کے بڑے بڑے بولنے والوں کی بولتی بند ہو کر رہ گئی۔ اسی لیے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: ۔

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منھ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

سرزمین مکہ کے رئیسوں نے اور مشرکین کے سرداروں نے جب دیکھا کہ آپ کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی جارہی ہے اور یہ آواز جس کے کانوں سے ٹکراتی ہے اس کے دل کو زیر وزبر کر کے رکھ دیتی ہے اور وہ اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر آپ کی غلامی میں آجاتا ہے۔

لہٰذا ان مشرکوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ اب کوئی ان سے بات نہ کرے، نہ کوئی بات کرے گا نہ ان کی آواز سنے گا اور نہ اپنے آبائی مذہب سے بیگانہ ہوگا۔

جب یہ رائے اور یہ منصوبہ مکہ کے رئیسوں نے پاس کر لیا تو اعلان شروع کروایا کہ آج سے کوئی محمد ابن عبد اللہ سے بات نہ کرے اور نہ ان کا کوئی کلام سنے، اگر وہ سامنے سے آتے نظر آئیں لوگ ان سے کترا کر نظر جھکا کر چلے جائیں۔

ابھی یہ تحریک چل ہی رہی تھی کہ حج کا موسم آ گیا لوگ دور دراز سے حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آنے لگے، مشرکین مکہ نے مکہ میں داخل ہونے والے ہر راستہ پر اپنے آدمی بیٹھا دیئے تاکہ جو باہر سے حج کے لیے آئیں انہیں بتا دیا جائے اور ہوشیار کر دیا جائے کہ مکہ میں ایک بہت بڑا جادوگر پیدا ہو گیا ہے جس سے وہ بات کرتا ہے یا جو بھی اس کی بات سن لیتا ہے وہ اس کا غلام ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اے باہر سے آنے والے حاجیو! آگاہ ہو جاؤ، ہوشیار ہو جاؤ اور سن لو کہ جس کا نام محمد ابن عبداللہ ہے اس سے ہرگز بات مت کرنا اور نہ اس کی باتیں سننا ورنہ اپنے مذہب سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اور اس کے غلام بن کر رہ جاؤ گے۔

اے باہر سے آنے والو! اگر اپنی آزادی کی سلامتی چاہتے ہو اور اپنے مذہب کی بقا چاہتے ہو تو ہوشیار ہو جاؤ اور ایسے آدمی سے دور رہو۔

محترم حضرات! حج کی سعادت حاصل کرنے والوں میں ایک ایسا شخص بھی مکہ مکرمہ میں داخل ہوا جو قادر الکلام شاعر بھی تھا اور فصاحت و بلاغت کا تاجدار بھی۔

جس کی شاعری کی دھوم پورے سرزمین عرب میں مچی ہوئی تھی۔

جس کی فصاحت و بلاغت کا ڈنکا بج رہا تھا۔

جس کی زباندانی کا سکہ پورے عرب میں چل رہا تھا۔

جو اپنے قبیلہ کا سردار بھی تھا۔

جس کا نام ''طفیل دوسی'' تھا۔

جب وہ مکہ میں داخل ہونے لگا تو مشرکین مکہ نے اسے روک کر سمجھایا اور اسے ہوشیار کیا کہ:

اے طفیل! تم حج کرنے آئے ہو۔

خانہ کعبہ کی زیارت سے اپنے کو سرفراز کرنے آئے ہو۔

آب زم زم سے اپنی تشنگی دور کرنے آئے ہو۔

تو اے طفیل جاؤ آب زم زم سے پیاس بجھا کر اپنے دل کو سکون پہنچاؤ۔ جاؤ خانۂ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر کے ارکان حج ادا کرو عبادت و ریاضت کے سلسلہ میں جو چاہو کرو۔

مگر ہم تمہیں بتانا چاہتے ہیں کہ مکہ میں ایک بہت بڑا جادوگر، بہت بڑا ساحر اور بہت بڑا کاہن پیدا ہو گیا ہے جو خانۂ کعبہ کے ارد گرد رہتا ہے وہ اتنا بڑا جادوگر ہے کہ وہ اگر کسی سے بات کر لے یا اس کی آواز کوئی سن لے تو وہ اس کا غلام اور جانثار ہو جاتا ہے اور اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو کر اس کا مذہب اختیار کر لیتا ہے۔

اس لیے اے طفیل! ذرا ہوشیار رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا جادو تمہارے اوپر بھی کام کر جائے اور تم اپنے مذہب سے ہاتھ دھو بیٹھو۔

جب طفیل دوسی نے مشرکین مکہ کی یہ بات سنی تو کہا:

اے مکہ والو!

اے میرے خیر خواہو! تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے مجھے اتنے عظیم خطرے سے آگاہ کر دیا اب میں ہوشیار رہونگا، اس کی آواز کو اپنے کانوں تک پہنچنے نہ دوں گا۔

چنانچہ طفیل دوسی جب بھی خانۂ کعبہ کا طواف کرنے جاتے تو اپنے کانوں میں روئیاں بھر لیتے تاکہ کسی کی آواز کان کے پردوں سے نہ ٹکرائے۔

حسب دستور ایک دن طفیل دوسی نے اپنے کانوں میں روئیاں ٹھونسی اور طوافِ خانۂ کعبہ کے لیے چل پڑے، صبح کا وقت ہے، نکہت و نور میں ڈوبی ہوئی فضا ہے، بڑا ہی پر کیف منظر ہے اور جناب طفیل دوسی ہیں جو خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں بیت اللہ کا چکر لگا رہے ہیں۔

ادھر طفیل دوسی طواف میں مصروف ہیں اور ادھر میرے آقا و مولیٰ جناب

سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں نماز فجر ادا کر رہے ہیں اور قرآن کی تلاوت میں مصروف ہیں۔

میرے آقا کی تلاوت کی آواز کو طفیل دوسی کے کانوں میں ٹھونسی ہوئی روئیاں نہ روک سکیں، بلکہ یہ بھینی بھینی آواز روئیوں سے چھن چھن کر دل کے نہاں خانوں میں اترتی چلی گئیں۔

کیونکہ یہ آواز وہ آواز ہے جس کو اللہ نے بلند فرمایا ہے لہٰذا دنیا کی کوئی طاقت اس آوز پر غالب نہیں آسکتی۔ طفیل دوسی کے کانوں کی روئیوں میں کیا مجال جو اس آواز کو روک لے۔

چنانچہ اب طفیل دوسی کی پوری توجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی آواز پر لگی ہوئی ہے اور آپ کی آواز کا ایک ایک لفظ طفیل دوسی کے کانوں کے پردوں سے ٹکرا کر دل کی گہرائیوں میں اترتا جا رہا ہے۔

نہ جانے کب طفیل دوسی کا ہاتھ کانوں تک پہنچا اور کانوں سے روئیاں آہستہ آہستہ باہر نکل آئیں۔ طفیل دوسی اب پورے دھیان سے حضور کا کلام سنتے جا رہے ہیں مدہوشی بڑھتی جا رہی ہے بے خودی کا عالم چھاتا جا رہا ہے۔

جب حضور نے تلاوت ختم کی تو جناب طفیل دوسی ہوش وحواس کی دنیا میں واپس آئے دل نے آواز دی کہ اے طفیل! جب کلام اتنا حسین ہے تو چلو دیکھو کہ کلیم کیسا ہے؟۔

چنانچہ آپ لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ حطیم میں داخل ہوئے اور جیسے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے زیبا پر نظر پڑی تو بے اختیار پکار اٹھے۔

قسم خدا کی یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ یہ حسین صورت کسی کاہن یا جادوگر کی صورت نہیں ہوسکتی۔ اس روئے زیبا سے تو نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ اللہ کا جاہ وجلال نظر آ رہا ہے۔ یقیناً یہ اللہ کے نائب ہیں اس کے پیارے

رسول ہیں خدا کے محبوب نبی ہیں اور کشور رسالت کے تاجدار ہیں اور اسی وقت آپ کلمہ پڑھ کر حضور کے غلاموں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

محترم حضرات! ذرا غور فرمایئے کہ وہ آواز جسے پوری قوم مل کر اپنی پوری طاقت وقوت کے ساتھ دبانا چاہتی ہے، جس آواز پر اپنی آواز کو غالب کرنا چاہتی ہے مگر پروردگار عالم اپنے پیارے نبی کی پیاری آواز کو ساری آوازوں پر غلبہ عطا فرماتا جارہا ہے اور ساری طاقتیں اور ساری آوازیں خود بخود دم توڑتی جارہی ہیں اور حضور کی آواز ساری آواز پر غالب ہوتی جارہی ہے۔

اسی لیے اللہ کا ارشاد ہے:

"لَاتَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِی"

یعنی اے لوگو! رسول کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو۔

یہ آواز بلند ہونے کے لیے ہے پست ہونے کے لیے نہیں۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو تمام صحابۂ کرام جب حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو بڑے ادب سے نرم اور ہلکی آواز میں گفتگو کرتے کہ کہیں ہماری آواز حضور کی آواز سے بلند نہ ہو جائے ورنہ ایمان کی دولت سے ہم خالی ہو جائیں گے: ؎

چھٹ جائے اگر دولت کونین تو کیا غم
لیکن نہ چھٹے ہاتھ سے دامان محمد

محترم حاضرین! ایک صحابی تھے جو بہت کم سنا کرتے تھے اور آپ کو معلوم ہے جو کم سنتا ہے وہ زور زور سے باتیں کرتا ہے تو جب یہ آیت کریمہ "لَاتَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِی" نازل ہوئی تو انھوں نے بارگاہ رسالت میں آنا ہی چھوڑ دیا کہ اگر میں نے بلند آواز میں گفتگو کی تو میرے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور مجھے خبر بھی نہ ہوگی۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں یہ معلوم ہوا تو رحمت

عالم نے فرمایا کہ جو لوگ اس قسم کے مرض میں مبتلا ہیں ان کے لیے یہ حکم نہیں ہے اور آپ نے ان کو اپنی بارگاہ میں آنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

محترم حاضرین کرام! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب کی بارگاہ میں ہلکی سی لغزش بھی گوارہ نہ فرمائی ان کے سامنے اپنی آواز بلند کرنا تو بہت بڑی بات ہے حضور کو حجرے کے باہر سے آواز دینے کو بھی پسند نہ فرمایا۔

چنانچہ قبیلہ بنی تمیم کے لوگ جب ایمان لے آئے اور ان کا دل نور ایمانی سے جگمگانے لگا حضور کے عشق ومحبت میں جب بے خود ہونے لگے تو ان کا دل مچل اٹھا کہ چلیں مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین پر پہنچ کر حضور کے رخ زیبا کی زیارت کر کے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور پہنچائیں اور دل کی بے قراری کو قرار نصیب ہو جائے۔

چنانچہ شوق دیدار میں بے خود ہو کر لوگوں نے اپنے جسموں پر اسلحہ سجائے اور بڑے طمطراق کے ساتھ ارض مقدس مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور کاشانہ اقدس کے دروازے پر حاضر ہوئے۔

پسینے میں شرابور ہیں دوپہر کا وقت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرۂ اقدس میں آرام فرما رہے ہیں، قیلولہ کا وقت ہے قبیلہ بنی تمیم کے لوگوں کا دل مچل رہا ہے، شوق دیدار میں بے خود ہیں دروازے پر کھڑے ہو کر زور زور سے آوازیں دے رہے ہیں: یا رسول اللہ! ہم بڑی دور سے آئے ہیں، دولت ایمان سے مالا مال ہیں، آپ کے عشق ومحبت میں دل مچل رہا ہے، آنکھیں آپ کی زیارت کے لیے بے چین ہیں، باہر تشریف لائیے تاکہ آپ کی زیارت سے ہمارے دلوں کو قرار آجائے آنکھوں کو سکون مل جائے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش اقدس میں جب ان کی آواز پہنچی آپ بیدار ہو گئے چہرۂ اقدس پر کبیدگی کے آثار ہیں ایسا لگتا ہے کہ بے وقت جگانا حضور کو ناگوار گزرا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے پیارے رسول کی بارگاہ میں قبیلہ تمیم کی یہ حرکت پسند نہ آئی۔
حضرت جبریل امین اللہ کا حکم نامہ لے کر حاضر ہوئے:
"اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُھُمْ لَایَعْقِلُوْنَ"
یعنی وہ لوگ جو عشق و محبت سے سرشار ہو کر حجرے کے باہر سے آواز دے رہے ہیں اکثر لوگ بے عقل اور جاہل ہیں۔ انہیں بارگاہ رسالت کے آداب سے واقفیت نہیں اور پھر اللہ نے لوگوں کو حضور کی بارگاہ کے آداب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ اگر وہ لوگ صبر کرتے اور انتظار کرتے کہ حضور خود باہر تشریف لائیں تو یہ ان کا انتظار کرنا صبر کرنا ان کے حق میں بہتر ہوتا اللہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔
یہ وہ آداب ہیں جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے دی اسی لیے کسی شاعر نے کہا ہے:

باخدا دیوانہ باشی بامحمد ہوشیار

یعنی اللہ کی بارگاہ میں دیوانگی چل جائے گی مگر بارگاہ رسول میں ہوشیار ہو کر آؤ۔
حضرت جامی فرماتے ہیں:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یہی وجہ تھی کہ مقام صہبا میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کے زانوئے اقدس پر اپنا سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے اور نماز عصر کا وقت ختم ہوتا جا رہا ہے حضرت علی کے جذبۂ عشق نے یہ آواز دی کہ: علی! اگر نماز عصر فوت ہو جائے گی تو اس کی قضا ہے۔ لیکن اگر حضور کے آرام میں خلل پڑ جائے اس کی قضا نہیں۔ لہٰذا حضرت علی نے نماز عصر کو فوت ہونے دی لیکن حضور کے آرام میں خلل پیدا کرنا پسند نہ فرمایا کہ اگر آداب رسول فوت ہو جائے تو اس کی کوئی قضا نہیں ہے۔
محترم حاضرین کرام! حضرت حسان بن ثابت انصاری جو مدینہ منورہ کے

فقیہ عصر ہیں اور محدثین کے تاجدار ہیں، جن کی بارگاہ میں بڑے بڑے صحابہ حاضر ہوکر اکتساب فیض کیا کرتے تھے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جو امام المفسرین ہیں، حضرت حسان بن ثابت انصاری کے شاگرد بھی ہیں ان کی بارگاہ میں علم حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوئے وہ حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچ کر آواز نہ دیتے تھے بلکہ دروازے پر بیٹھ جاتے اور انتظار کرتے جب حضرت حسان بن ثابت انصاری باہر آتے تو کہتے حضور آپ نے آواز کیوں نہ دی؟ وہ فرمایا کرتے کہ ہم کو اللہ کی بارگاہ سے اپنے بزرگوں کی بارگاہ میں حاضری کے یہی آداب بتائے گئے ہیں کہ انہیں آواز نہ دی جائے انہیں پکارا نہ جائے یہاں تک کہ وہ خود باہر نہ آجائیں تو حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ ابن عباس کا ہاتھ چوم لیتے۔ حضرت عبداللہ کہتے: حضور یہ کیا کررہے ہیں؟ تو حضرت حسان بن ثابت انصاری فرماتے کہ: خانوادۂ رسول کے لیے ہم کو بارگاہ رسالت سے یہی آداب سکھائے گئے ہیں۔

اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بزرگوں کے دروازے پر پہنچ کر شور مچانا یہ ادب کے خلاف ہے۔

محترم حاضرین! غور فرمایئے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کی یہ عظمت ورفعت ہے تو پھر ان کی ذات اقدس کی کیا عظمت ہوگی۔

کتنے بد بخت ہیں وہ لوگ جو حضور کی ذات اور ان کے علم اور ان کے اختیارات کو اپنی تنقیدوں کا نشانہ بناتے ہیں۔

کتنے بد بخت ہیں وہ لوگ جو حضور کے علم کو مجنوں اور پاگل کے علم کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

کتنے بد بخت ہیں وہ لوگ جو حضور کے اختیار اور اقتدار کو چیلنج کرتے ہیں۔

جب حضور کی آواز سب کی آواز سے بلند ہے، ان کا اخلاق سب کے اخلاق سے بلند ہے، ان کا علم سب کے علم سے بلند ہے، لہٰذا ان خوبیوں پر تبصرہ کرنے والے کتنے بڑے گستاخ اور بد طینت ہیں کہ جس کا فیصلہ ہر آدمی کر سکتا ہے۔

رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب کو حاکم بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا جو شخص حضور کی حاکمیت سے اور ان کے اختیارات سے انکار کرتا ہے وہ مومن نہیں ہے۔

جیسا کہ ایک بار ایک منافق اور ایک یہودی سے کھیت میں پانی دینے کے سلسلے میں جھگڑا ہو گیا اور یہ مقدمہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ تک پہنچا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کے بیانات سنے یہودی نے کہا کہ: میرا کھیت نہر سے قریب ہے اور اس کا کھیت میرے کھیت کے بعد ہے، لہٰذا میرے کھیت کو پانی سے قریب ہونے کی بنیاد پر آبپاشی کا پہلے موقع ملنا چاہیے۔

منافق نے کہا: حضور میں مسلمان ہوں اور یہ یہودی ہے لہٰذا مسلمان کو پانی دینے کا پہلے حق ملنا چاہیے۔

حضور نے جب دونوں کا بیان سن لیا تو فوراً یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ یہودی پہلے اپنے کھیت میں پانی دے گا پھر اس کے بعد اس کو جو اپنے کو مسلماں کہتا ہے پانی دینے کا حق حاصل ہوگا۔

حضور کے اس فیصلہ سے منافق تلملا اٹھا اور حضور کے اس فیصلہ پر کبیدہ خاطر ہو کر بارگاہ رسول سے باہر آگیا باہر آنے کے بعد منافق نے یہودی سے کہا: مجھے یہ فیصلہ منظور نہیں، چلو حضرت عمر کی بارگاہ میں چلتے ہیں ان کی بارگاہ میں اپنا مقدمہ پیش کریں گے وہ بڑے انصاف ور ہیں اور بہت بڑے دانش ور ہیں وہ جو فیصلہ کر دیں گے وہ میں تسلیم کر لوں گا۔ یہودی نے کہا مجھے تمہارے مسلمان ہونے پر تعجب ہے کہ تم اپنے رسول کا فیصلہ تسلیم نہیں کرتے جو تم لوگوں کے حاکم

اعلیٰ ہیں۔ تمہیں بتاؤ سپریم کورٹ میں فیصلہ ہو جانے کے بعد کوئی لوئر کورٹ میں بھی جاتا ہے؟ منافق نے کہا میں کچھ سننے کے لیے تیار نہیں چلو فاروق اعظم سے اس مقدمہ کا فیصلہ کروائیں گے۔

چنانچہ یہ دونوں حضرت عمر فاروق کے دروازے پر حاضر ہوئے اور انہیں باہر بلایا منافق نے حضرت عمر فاروق سے کہا: حضور یہ سن لیجئے میں مسلمان ہوں اور یہ ایک یہودی ہے ہم دونوں کا جھگڑا کھیت میں پانی دینے کے سلسلے میں ہے آپ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ میں مسلمان ہوں اور یہ یہودی ہے جو بھی فیصلہ فرمائیں گے میں اسے تسلیم کرلوں گا۔

یہودی نے عرض کیا: حضور کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے میری ایک بات سن لیجئے اور وہ یہ ہے کہ آپ کے دروازے پر آنے سے پہلے ہم یہ مقدمہ لے کر آپ کے رسول کی بارگاہ میں پہنچے تھے اور آپ کے رسول نے میرے حق میں فیصلہ کردیا ہے مگر یہ شخص مسلمان ہونے کے باوجود ان کا فیصلہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہتا ہے کہ ہم عمر فاروق سے فیصلہ کرائیں گے۔

اتنا سننا تھا کہ حضرت عمر کا تیور بدل گیا آنکھوں سے شعلے برسنے لگے چہرہ سرخ ہوگیا آپ نے غضب کے عالم میں ارشاد فرمایا: تم دونوں یہیں ٹھہرو میں ابھی آکر اس مقدمہ کا فیصلہ کیے دیتا ہوں یہ کہتے ہوئے آپ اندر تشریف لے گئے اور کھونٹی سے اپنی شمشیر آبدار اٹھائی، باہر آئے اور ایک ہی وار میں منافق کا سر اس کے تن سے جدا فرمادیا اور فرمایا: لو عمر کا یہ فیصلہ ہے۔

مدینے کے گلیوں میں یہ شور اٹھا کہ عمر نے ایک مسلمان کا خون کردیا اور جو آدمی مومن کا خون کرے اس کے بارے میں قرآن کا فیصلہ ہے: ”مَنْ قَتَلَ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا“ جو شخص مومن کو قصداً قتل کرے گا اس کی جزا جہنم ہے اور وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عمر کے ہاتھوں ایک مومن کے قتل کا واقعہ سنا تو حضرت عمر کو طلب فرمایا اور پوچھا کیوں عمر تم نے کسی مومن کو قتل کر دیا ہے؟

حضرت عمر نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے کسی مومن کو قتل نہیں کیا کیونکہ آپ کے رب کی قسم وہ شخص مومن ہو ہی نہیں سکتا جو شخص اپنے جھگڑوں میں آپ کو اپنا حاکم نہ تسلیم کر لے اور آپ کے فیصلہ پر اپنا سر تسلیم خم نہ کر دے۔

اتنا کہنا تھا کہ ان کی تائید میں حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بارگاہ مصطفیٰ میں وحی الٰہی لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کا ارشاد گرامی ہے:

"فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا"

قسم ہے آپ کے رب ذوالجلال کی کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو اپنا حاکم نہ تسلیم کر لے اور آپ کے فیصلہ پر اپنے دل میں کوئی کجی و تنگی نہ پائے اور آپ کے فیصلہ پر سر تسلیم خم نہ کر دے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور آواز پر کسی کا حکم اور کسی کی آواز بلند نہیں ہو سکتی۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
وہ گھٹائیں جنہیں منظور بڑھانا تیرا

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے رسول کی رضا چاہتا ہے اور ہر حال میں راضی رکھنا چاہتا ہے۔ اسی لیے حضور کے حکم کو اپنا حکم اور حضور کے کام کو اپنا کام فرمایا۔

چنانچہ ہجرت کے موقع پر جب مشرکین مکہ نے حضور کے کاشانۂ اقدس کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا کہ وہ نکل کر جانے نہ پائیں اور صبح ہوتے ہوتے انہیں قتل کر دیا جائے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کو بلایا اور

فرمایا: یہ میرا بستر ہے اس پر چادر اوڑھ کر سو جاؤ۔ میرے پاس یہ لوگوں کی امانتیں ہیں صبح کے وقت اسے لوگوں تک پہنچا کر مدینہ آ جانا اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت کرنے کا حکم دے دیا ہے میں مدینہ جا رہا ہوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم چادر اوڑھ کر بستر پر سو گئے اور حضور گھر سے نکلنا چاہتے ہیں تو دیکھا کہ چاروں طرف مشرکین مکہ ننگی تلواریں لیے کھڑے ہیں اور قتل کرنا چاہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکری اٹھائی اس پر "وَجَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ أَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ" پڑھی اور مشرکین مکہ کی طرف پھینک دیا سارے مشرک اندھے ہو گئے حضور اطمینان سے کاشانۂ اقدس سے باہر آئے اور صدیق اکبر کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

محترم حاضرین! حضور نے اپنی مٹھی میں کنکریاں لے کر پھینکی لیکن اللہ ارشاد فرماتا ہے: "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی" یعنی اے رسول! جو آپ نے کنکری پھینکی تھی وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ وہ تو اللہ نے پھینکی تھی۔ دنیا جانتی ہے کہ کنکریاں حضور کے دست مبارک سے نکلیں مگر اللہ اس کو اپنے دست مبارک سے نکلنا فرما رہا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضور کا ہر قول وفعل اللہ کا قول وفعل ہے اسی لیے تو اللہ نے فرمایا: "مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی" یعنی رسول اپنی مرضی سے نہیں بولتے بلکہ وہی کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔

ہجرت کے بعد لوگوں نے حضرت علی سے پوچھا کہ اے علی! تم کو معلوم تھا کہ مشرکین مکہ حضور کا گھر گھیرے ہوئے ہیں اور تمہیں حضور نے اپنے بستر پر چادر اڑھا کر سلا دیا، کیا تمہیں یہ خوف نہیں آیا کہ کہیں غلطی سے حضور کے دھوکے میں لوگ تمہیں قتل نہ کر دیں تمہیں اس بھیانک رات میں اس بستر پر نیند کیسے

آئی ؟ حضرت علی نے ارشاد فرمایا کہ: اے لوگو! اس رات جتنی گہری اور مزیدار نیند آئی تھی زندگی میں کبھی نہ آئی کیونکہ ہمیشہ جب سوتا تھا تو خوف ہوتا تھا کہ خدا جانے صبح زندہ اٹھوں گا یا نہیں لیکن اس رات حضور نے مجھے زندگی کی گارنٹی دے دی تھی اور فرمادیا تھا کہ یہ امانتیں لوگوں میں تقسیم کر کے مدینہ آنا لہٰذا مجھے یقین ہو گیا کہ جب حضور نے مجھے زندہ رہنے کی گارنٹی دے دی ہے تو قسم خدا کی موت کی یہ مجال نہیں کہ میرے قریب بھی آئے اس لیے میں بے خوف ہو کر اطمینان سے حضور کے بستر اقدس پر چین اور سکون کی نیند سوتا رہا۔

حضور کا حکم اللہ کا حکم حضور کی بات اللہ کی بات ہے اگر حضور جس سے غضب ناک ہو جائیں اس کو دنیا کی کوئی طاقت بچا نہیں سکتی اور جس سے خوش ہو جائیں اسے دنیا کی کوئی طاقت غمگین نہیں کر سکتی۔

جس سے تم روٹھو وہ برگشتۂ دنیا ہو جائے
جس کو تم چاہو وہ قطرہ ہو تو دریا ہو جائے
قہر سے دیکھو تو شاداب چمن جل جائے
مسکرا دو تو اندھیرے میں اجالا ہو جائے

واخر دعوانا والحمد لله رب العلمین

☆☆☆☆☆

فضیلت نکاح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّلَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ

فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّاتَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً.

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْاَمِیْنُ الْمَکِیْنُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنْ.

عروج فطرت خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

درود پاک پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ......

برادران اسلام وعزیزان گرامی! آج میں آپ کے سامنے نکاح کے موضوع پر چند باتیں عرض کروں گا اور یہ بتاؤں گا کہ نکاح میں کتنی برکتیں

ہیں۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت اوراس کی ضرورت کوکس طرح بیان کیا ہے۔

حضور کا ارشاد گرامی ہے: جس نے نکاح کرلیا اس نے اپنا نصف ایمان مکمل کرلیا۔اب اسے نصف ایمان کی تکمیل میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح وہ عظیم عمل یا عظیم عبادت ہے جو آدھے ایمان کو مکمل کرتا ہے۔مگر نکاح کی اہمیت کو واضح کرنے سے پہلے چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

رفیقان گرامی! رب تبارک، وتعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اوراس کے سر پر تاج کرامت رکھا ہے۔اورارشاد فرمایا:

"هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا".

یعنی اے انسانو! تمہارا رب وہی ہے جس نے تمہارے فائدے کے لیے روئے زمین پر بے شمار نعمتیں پیدا فرمائیں۔

اور پھر ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"وَجَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشاً وَّالسَّمَآءَ بِنَاءً وَّ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّکُمْ"

یعنی اے انسانو! تمہارے رب نے تمہارے فائدے کے لیے زمین کا فرش بنایا اور آسمان کی چھت بنائی اور پھر تمہارے فائدے کے لیے آسمان سے پانی برسایا اور تمہیں قسم قسم کے پھلوں کی دولت عطا فرمایا۔

اس کے علاوہ قرآن میں اور بھی متعدد آیتیں ہیں۔جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ نے یہ ساری چیزیں اور ساری نعمتیں صرف انسان کے لیے بنائی ہیں۔

یہ چلتی ہوئی ہوائیں۔آفتاب کی چمک۔چاند کی دمک۔پانی کی موجیں مارتی

لہریں۔ یہ درختوں کی لمبی لمبی قطاریں۔ یہ زمین کا فرش اور یہ آسمان کا شامیانہ۔ یہ سب کچھ اللہ نے انسانوں کی خدمت اور غلامی کے لیے پیدا فرمائی ہیں۔ یعنی انسان ہر مخلوقات کا آقا ہے۔ اور ساری دیگر مخلوقات اس کی غلام اور خادم ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے استعمال کرنے کے لیے اور ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے، نسل انسانی کو بڑھانے کے لیے، ایک مکمل ضابطۂ حیات اور بے عیب قانون اور اصول بھی عطا فرمائے ہیں۔ اب انسانوں کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کو استعمال کرنے کے لیے اس کے عطا کیے ہوئے دستور اور ضابطہ پر عمل کرے۔

محترم حاضرین کرام! کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ انسان دیگر حیوانات کی طرح ایک حیوان ہے۔ لہٰذا اس کے لیے کسی ضابطہ اور قانون کی ضرورت نہیں۔ جس طرح حیوان اپنی زندگی گزارنے میں آزاد ہے اسی طرح انسان بھی اپنی زندگی کے لیے آزاد ہے۔ جس طرح حیوان اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے کسی قانون کا پابند نہیں۔ اسی طرح انسان بھی اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے کسی قانون اور ضابطہ کا پابند نہیں۔

اس نظریہ نے انسان کو بالکل حیوان بنا کر رکھ دیا۔ جس کے اثرات ہمیں یورپ اور امریکہ کے شہروں میں بے شمار نظر آتے ہیں۔ آج ان ترقی یافتہ ملکوں میں بے باپ کی اولادوں کا ہجوم نظر آتا ہے۔ صنف نازک سے شرم وحیا رخصت ہو چکی ہے۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ انسان ایک فرشتہ ہے۔ لہٰذا اسے کوشش کر کے پھر فرشتہ ہی بن جانا چاہیے۔ فرشتوں کے لیے شادی نہیں ہے۔ اسی لیے انسانوں کو شادی نہیں کرنی چاہیے۔ اور اپنے کو اپنے معبود کی عبادت کے لیے ریزرو کر لینا چاہیے۔

اس نظریہ نے رہبانیت کی بنیاد ڈالی۔ جس کے تحت عیسائیوں کے کلیسا میں بے شمار راہب اور راہبہ موجود ہیں۔ کہنے کو تو انھوں نے شادی نہ کی۔ مگر کلیسا کے ان نام نہاد مقدس فضا میں گناہوں اور زنا کاریوں کا وہ عریاں رقص پیش کیا جاتا ہے۔ جس کی مثال نہیں ملتی۔ اور پھر ان زانیوں کے لیے ان کے پاس کوئی سزا کا معیار نہیں۔ کیوں کہ انسان فرشتہ ہے اور فرشتوں کو سزا نہیں دی جاتی۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ گنہگار سب سے بڑے پادری کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کر لے اور ان کا پادری لطف لے لے کر گناہوں کی تفصیل پوچھتا جائے۔

محترم حاضرین! اس کے برخلاف اسلام کا نظریۂ حیات یہ ہے کہ انسان کے اندر حیوانی عنصر ہے اور ملکوتی عنصر بھی۔ لہٰذا انسان کی فطرت ان دونوں عناصر کی خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے۔

ملکوتی عنصر عبادت وریاضت کا مقتضی ہے۔ اور حیوانی عنصر کھانے، پینے، سونے، جاگنے اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کا خواہشتگاہ ہے۔ اس لیے انسانوں کو ایک ایسا ضابطۂ حیات اور ایسا نظام زندگی عطا فرمایا۔ جس کے ذریعہ انسان کی حیوانی اور ملکوتی فطرت کا تقاضا پورا ہو جائے۔

محترم حاضرین! ہر انسان چاہے وہ امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت، بلوغت کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس کی فطرت اس سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ نفسانی خواہشات کی تکمیل کی جائے۔ اب اس سلسلے میں شریعت مصطفیٰ نے اس بات کے لیے آزاد نہ چھوڑا کہ وہ جس گھاٹ سے چاہے پانی پی لے اور نہ اس سلسلے میں بالکل پابند بنایا۔ کیوں کہ نفسانی خواہش، وہ خواہش ہے کہ اگر اسے بالکل ختم کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ ایک تباہی کا پیش خیمہ ہوگا۔

کیوں کہ اگر پیاسے کو صاف پانی نہ ملے گا تو وہ نالی میں منہ ڈال دے گا۔

کوہ آتش فشاں کے بے قرار شعلوں کو اگر راہ نہ ملی تو زلزلے ضرور آئیں

گے۔اور تباہیاں یقیناً پھیلیں گی۔

اسی لیے کسی نے کیا خوب کہا ہے:۔

دریا میں بند باندھ کے پانی کو روک دیں

کس کی مجال ہے کہ جوانی کو روک دیں

محترم حاضرین کرام! اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا: "فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَاءِ" کہ اے مسلمانو! جو صنف نازک تمہیں پسند آئے اس سے شادی کرلو۔

معلوم ہوا کہ نکاح کرنا یہ اللہ کے حکم کی تعمیل کرنا ہے۔ اسی لیے نکاح کو شریعت میں ایک طرح کی عبادت قرار دیا گیا ہے۔

ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَاءَ ةَ فَلْیَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَعَلَیْهِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَهٗ وِجَاءٌ"

اے جوانوں کی جماعت! جو اپنی بیوی کی ضروریات کی تکمیل کی قدرت رکھتا ہو۔ اسے چاہیے کہ وہ شادی کرے۔ کیوں کہ یہ شادی نگاہوں کو جھکا دیتی ہے اور شرمگاہوں کی حفاظت کرتی ہے۔ اور تم میں سے جس کو اس کی استطاعت نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ روزہ رکھے۔ کیوں کہ روزہ شہوت نفسانی کو توڑ دیا کرتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ نکاح ان کو نیک اور پارسا بناتا ہے۔ بدکاریوں اور گناہوں سے روکتا ہے۔ اسی لیے ہمارے آقا نے نکاح کا حکم فرمایا ہے۔ کیوں کہ لوگوں کا یہ مشاہدہ ہے کہ جو شخص تجرد کی زندگی گزارتا ہے اور ذمہ داریوں سے فرار حاصل کرنے کے لیے نکاحوں سے اجتناب کرتا ہے وہ قسم قسم کے گناہوں میں ملوث ہوتا رہتا ہے۔

اسی لیے ایک بار تین صحابی اکٹھا ہو کر آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔

ایک صحابی نے کہا: میں اللہ کی رضا کے لیے مستقل روزہ رکھوں گا کھانے پینے سے اجتناب کروں گا۔

دوسرے نے کہا: میں بیوی بچوں سے الگ ہوکر دن ورات نماز ادا کرتا رہوں گا۔

تیسرے نے کہا: میں شادی ہی نہیں کروں گا اور فراغت کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مصروف رہوں گا۔

ان صحابۂ کرام کی یہ گفتگو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشۂ اقدس تک پہنچی تو آپ جاہ وجلال کے عالم میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا:

اے صحابیو! میں تم لوگوں سے زیادہ متقی ہوں اور تم سے زیادہ میرے دل میں اللہ کا خوف ہے۔ مگر میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھانا بھی کھاتا ہوں۔ میں سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں۔ میں نکاح بھی کرتا ہوں اور اپنی ازواج کے ساتھ وقت بھی گزارتا ہوں۔ سن لو کہ انسان کے اوپر اس کے نفس کا بھی حق ہے۔ لہٰذا اس حقوق کی ادائے گی بھی ضروری ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان، فرشتوں کی طرح عبادت وریاضت بھی کرے اور ضابطہ اور قانون کے تحت حیوانی خواہشات اور ضروریات کی بھی تکمیل کرتا رہے۔

نکاح وہ مقدس اور بابرکت عمل ہے کہ جس کے بعد خوشیاں ہی خوشیاں ہیں۔ اسی لیے نکاح کے دوسرے دن ولیمہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔

ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ ان کے کرتے پر زعفرانی رنگ کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔

حضور نے ارشاد فرمایا: اے عبدالرحمٰن! یہ کیا ہے؟

حضرت عبدالرحمٰن نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے انصار کی ایک عورت سے شادی کی ہے۔

حضور یہ سن کر خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا:"أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ" ولیمہ کرو، چاہے ایک بکری ہی کا کیوں نہ کرنا پڑے۔

یعنی نکاح وہ خوشی کا وقت ہے کہ جس کے بعد خوشی میں دوست واحباب کو دعوتیں کھلانی چاہیے۔ شریعت مصطفیٰ میں نکاح نہ کرنے والوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ چوں کہ اس سے نسل انسانی کی افزائش کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ نسلیں بڑھانی چاہیے تا کہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے۔

اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تَنَاكَحُوْا وَتَنَاسَلُوْا فَإِنِّيْ اُبَاهِيْ عَلٰى كَثْرَتِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ".

اے مسلمانو! نکاح کرو اور نسلیں بڑھاؤ کیوں کہ قیامت کے دن میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔

اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ ارشاد فرمایا: کہ ایسی عورتوں سے شادی کرو جو زیادہ سے زیادہ بچہ پیدا کر سکے۔

معلوم یہ ہوا کہ مسلمانوں کی نسل کے فروغ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہوتی ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ آج بھی تو جس نیتا اور لیڈر کے ماننے والے زیادہ لوگ ہوتے ہیں۔ اس کو لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسے بڑا سے بڑا عہدہ دیا جاتا ہے۔

محترم حاضرین! آج اکثر و بیشتر ممالک نسل انسانی کو روکنے کے فکر میں ہیں۔ اس کے لیے ان ملکوں میں فیملی پلاننگ کی تحریک چلائی جا رہی ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ غربت وافلاس کا اصل سبب بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔ حکومتیں ان بڑھتی ہوئی آبادی کو اس مقدار میں غذا فراہم نہیں کر سکتیں۔

چنانچہ دیواروں پر یہ نعرہ لکھے جاتے ہیں۔ "چھوٹا پریوار سکھی پریوار"

انھوں نے سمجھ یہ رکھا ہے کہ جو انسان پیدا ہوتا ہے ان کا رزق ہم مہیا کرتے ہیں۔ اس لیے ضبط تولد اور خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک اکثر و بیشتر ممالک میں بڑے زور وشور سے چلائی جارہی ہے۔ نس بندی کرانے والوں کو انعام و اکرام اور مال و دولت بھی دیا جارہا ہے۔ نس بندی کی طرف راغب کرنے کے لیے لوگوں کو روپئے پیسے کا لالچ بھی دیا جارہا ہے۔ غرض ان ممالک کے حکمرانوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان تمام افراد کی روزی روٹی کا بندوبست ہم کرتے ہیں۔

لیکن قرآن مجید کا ارشاد ہے:

"لَاتَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَاِیَّاکُمْ".

اے لوگو! روزی اور روٹی کے خوف سے اپنی اولادوں کو قتل نہ کرو۔ کیوں کہ ان کو رزق ہم دیتے ہیں اور تم کو بھی تو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوگیا کہ اصل رازق اللہ ہے۔ وہ عوام کو بھی رزق دیتا ہے اور حکمرانوں کو بھی۔ اور یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم رزق دیتے ہیں۔ اسی لیے شریعت مصطفیٰ میں ضبط تولد اور نس بندی کو ناجائز و حرام قرار دیا ہے۔

محترم حاضرین کرام! ایک دور وہ تھا کہ جب حکومت کی فیملی پلاننگ اور حکومت کے بگڑے ہوئے تیور کو دیکھ کر بہت بڑے بڑے دارالافتاء کے مفتیوں نے اپنی جان بچانے کے لیے نس بندی کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔ بہت سے دارالافتاء حکومت کے ہاتھوں بک چکے تھے۔ ڈالر اور ریال کے ذریعہ ان مفتیوں کو خریدا جاچکا تھا۔ مگر اس ہولناک اور پرآشوب زمانے میں بھی حق وصداقت کے علمبرداروں نے اپنے دین وملت کا سودا نہ کیا۔

بریلی کی سرزمین سے امام اعلیٰ حضرت کے جانشین، حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے بے باک انداز میں نس بندی کے عدم جواز اور حرمت پر اپنا فتویٰ صادر فرمایا۔ اس فتوے سے حکمرانوں کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے۔ ان کے

تیور نہایت ہی خوفناک ہوگئے۔انھوں نے اپنے نمائندوں کو بریلی بھیجا کہ جاؤ۔ بریلی کے مولوی سے کہہ دو کہ اگر خیریت چاہتے ہو تو اپنا فتویٰ بدل ڈالو۔

حضور مفتی اعظم ہند نے پوری شان بے نیازی اور بے خوفی کے ساتھ ارشاد فرمایا: کہ جاؤ۔ ہندوستان کے حکمرانوں سے کہہ دو کہ مصطفیٰ کے غلام فتویٰ نہیں بدلتے۔البتہ اگر ضرورت پڑتی ہے تو حکومتیں بدل دیا کرتے ہیں۔اللہ اور رسول کے فرمان میں کوئی تبدیلی اور ترمیم ممکن ہی نہیں۔

چنانچہ ہندوستان کے عوام نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ لوگ مفتی اعظم سے فتویٰ بدلوانے کی کوشش کررہے تھے۔ کچھ ہی دنوں بعد ان کی حکومتیں تبدیل ہوگئیں۔اور پھر ایوان حکومت سے نکل کر جیل کی ہوا بھی کھانی پڑی۔

محترم حاضرین کرام! نکاح صرف حیوانی خواہشات کی تکمیل ہی کا ذریعہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اصل مقصد نسل انسانی کا فروغ ہے۔تاکہ اللہ کی زمین پر اللہ کے ماننے والوں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی کثرت ہو۔اور ان کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا جاسکے۔

محترم حاضرین! عقد نکاح سے الفت ومحبت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔دو اجنبی خاندان ایک دوسرے کے جانثار بن جاتے ہیں۔یہی وجہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد خاندانوں میں نکاح کیا تاکہ لوگوں کے اندر محبت کا جذبہ پیدا ہو۔ اور میرے لائے ہوئے دین کی ترویج وترقی کی راہیں ہموار ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ".

دو محبت کرنے والوں میں نکاح کی طرح کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔

یعنی نکاح سے لوگوں کے اندر خلوص ومحبت پیدا ہوتی ہے اور لوگ اس کی برکتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔

ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لشکر لے کر قبیلہ بنی مصطلق پر حملہ آور ہوئے۔ شدید جنگ کے بعد مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ بے شمار مال غنیمت ہاتھ آئے۔ لاتعداد مرد اور عورتیں گرفتار ہوئیں۔ گرفتار ہونے والوں میں قبیلہ بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی جناب جویریہ بھی تھی۔ ان سب گرفتار شدہ لوگوں کو مدینہ لایا گیا۔ اور ان سب کو غلام اور کنیز بنا کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ حضرت جویریہ جو سردار کی بیٹی تھی۔ وہ ایک عام صحابی کے حصہ میں آئیں۔ ان کو ان صحابی کی کنیز بننا پسند نہ آیا۔

چنانچہ انھوں نے اپنے آقا سے کتابت کر لی اور زر کتابت ادا کرنے کے لیے بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آئی اور عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے اپنے آقا سے کتابت کر لی ہے۔ زر کتابت کی ادائے گی میں میری کچھ مدد فرمائیں۔

حضور نے ارشاد فرمایا: اے جویریہ! اگر اس سے اچھا کوئی مشورہ تم کو دوں تو کیا تم اس کو پسند کرو گی؟

حضرت جویریہ نے عرض کیا: وہ کیا ہے؟

حضور نے ارشاد فرمایا: سارا زر کتابت تمہاری طرف سے میں ادا کر دوں اور تمہیں آزاد کر کے تم سے نکاح کر لوں۔

حضرت جویریہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا زر کتابت ادا کر کے حضرت جویریہ سے نکاح کر لیا۔ حضور کا نکاح کرنا تھا کہ اس کا شہرہ مدینہ کے اطراف میں پھیل گیا۔

چنانچہ تمام مجاہدین نے جیسے ہی یہ سنا کہ حضور نے جویریہ سے نکاح کر لیا ہے۔ وہ کہہ اٹھے: یہ سارے غلام اور کنیز جو قبیلہ بنی مصطلق سے گرفتار ہو کر آئے ہیں۔ یہ سب حضور کے رشتہ دار ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ہماری غیرت ایمانی اس بات کو گوارہ نہیں کرتی کہ جس نے ہمیں دولت ایمان سے مالا مال کیا ہے۔ اس کے

رشتہ داروں کو ہم اپنا غلام یا اپنی کنیز بنائیں۔ لہٰذا تمام مجاہدین نے بیک زبان اپنے اپنے غلام اور کنیزوں کو آزاد کر دیا۔

دیکھا آپ نے یہ نکاح کی برکت ہی تھی۔ کہ جس کی وجہ سے بے شمار غلاموں اور کنیزوں کو آزادی کی نعمت حاصل ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح وہ بابرکت چیز ہے۔ جس سے الفت ومحبت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے ارشاد فرمایا کہ جویریہ کے نکاح سے بابرکت کوئی نکاح نہیں دیکھا گیا۔

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حکمت کے پیش نظر اپنے ماننے والوں کو نکاح کرنے، نسل بڑھانے کا حکم دیا۔ حضور نے جو ہمیں نظام حیات عطا فرمایا اور جو قانون زندگی عطا فرمائی۔ یہ قوانین انسان کی تمام فطری تقاضوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ اور انسانوں کو برائیوں اور بے حیائیوں سے روکتا ہے۔

وہ حاذق جس کا تنہا نسخۂ تنزیل فرقانی
دوائے جملہ علت ہائے جسمانی وروحانی
وہ ناطق جس کے آگے مہر برلب بلبل سدرا
وہ امی جس کے آگے عقل کل طفل دبستانی

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ذکرشہادت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنْ وَالصَّلٰوۃُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنْ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
اَجْمَعِیْنْ، اَمَّا بَعْدُ!

فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ فِی الْقُرْآنِ
الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدْ.

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ
وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْئٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ
مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنْ.

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ
الْاَمِیْنُ الْمَکِیْنُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ
الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنْ.

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

محترم حاضرین کرام ورفیقان گرامی! ایک عاشق صادق اور سچے محبّ کو اپنے عشق ومحبت کی صداقت اور گوہر مقصود کی حصولیابی میں جان لیوا مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ طرح طرح کی آزمائشوں اور مشکل مرحلوں کا پامردی سے سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیلیٰ مجنوں کی داستانیں، شیریں اور فرہاد کے قصے، وامق وعذرا کی

کہانیاں آپ نے سنی ہوں گی۔ ان عاشقوں کو اپنی محبت کا ثبوت پیش کرنے کے لیے کن کن اذیتوں سے گزرنا پڑا۔ مجنوں کی صحرانوردی اور اپنے جسم سے گوشت کا ٹکڑا الگ کر کے یہ ثابت کرنا پڑا کہ میں لیلیٰ کا سچا عاشق اور محبّ ہوں۔ فرہاد کو شیریں کے عشق میں پہاڑ کا سینہ چاک کر کے پانی کی نہر نکالنی پڑی۔

اسی طرح سے ہم دنیا کے بہت سے عشاق کی سچی اور جھوٹی کہانیاں، رومانی ناولوں اور کتابوں میں پڑھتے ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عشق و محبت کی راہیں کتنی کٹھن اور پر پیچ ہیں۔ اور ایک عاشق صادق ان پر پیچ راہوں سے گزر کر اپنے عشق صادق کو ثابت کر دیتا ہے، تو رہتی دنیا تک لوگوں کی زبان پر اس کے چرچے اور اس کی اولوالعزمی کی داستانیں ہوتی ہیں اور پھر کہنے والا پکار اٹھتا ہے:

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجے

اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

محترم حاضرین کرام! ان باتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ عشق و محبت کی صداقت ثابت کرنے کے لیے اور اپنے گوہر مقصود کو حاصل کرنے کے لیے امتحان و آزمائش کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

یہ حال جب عشق مجازی کا ہے تو پھر عشق حقیقی کا کیا حال ہوگا۔ عشق مجازی میں محبوب اپنے محبّ سے اور معشوق اپنے عاشق سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ آیا میرا محبّ اور میرا عاشق اپنے عشق و محبت میں سچا ہے یا نہیں؟ اسی طرح عشق حقیقی میں بھی رب تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں سے اپنی اور اپنے رسول کی محبت کا دم بھرنے والوں کا امتحان لیتا ہے اور جب مومن بندہ اس امتحان و آزمائش میں کامیاب ثابت ہو جاتا ہے۔ تو اسے جنت کی بشارت دے دی جاتی ہے۔

جب کوئی عاشق، عشق مجازی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو اسے ہر طرف محبوب کا جلوہ ہی نظر آتا ہے۔ وہ دنیا و مافیہا سے بالکل بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اور عشق کی

بدولت دنیا کے ہر غم اور تکلیف کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر لیتا ہے۔

آلام روزگار کو آساں بنا دیا
جو غم دیا اسے غم جاناں بنا دیا

ایک بار ایک اللہ والا کسی جنگل میں نماز ادا کر رہا تھا کہ اچانک مجنوں اپنی لیلیٰ کے تصور میں ڈوبا ہوا اس نمازی کے آگے سے گزر گیا۔ اللہ والے نے نماز پوری کی اور مجنوں کو آواز دے کر بلایا اور پوچھا کہ تو کیسا مسلمان ہے کہ یہ دیکھتے ہوئے کہ نماز میں مصروف ہوں اور میرے سامنے سے گزر گیا۔ تجھے یہ مسئلہ نہیں معلوم کہ جب کوئی حالت نماز میں ہو، اس کے سامنے سے نہیں گزرنا چاہیے۔

مجنوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا: حضور میں لیلیٰ کے عشق میں اتنا بے خود ہو گیا کہ مجھے سوائے لیلیٰ کے کچھ نظر نہیں آتا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نماز میں مشغول ہیں۔ مگر مجھے حیرت ہے آپ کے عشق و محبت پر کہ آپ اللہ و رسول کے عاشق ہیں اور نماز عشق ادا کر رہے ہیں اور یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ آگے سے کون گزر رہا ہے؟ یہ کیسا عشق ہے کہ اس نے آپ کو محبوب کے تصور میں غرق کر کے دنیا و مافیہا سے بے خبر نہ بنایا۔

اللہ والے نے کہا: بے وقوف یہی تو فرق ہے عشق حقیقی اور عشق مجازی میں۔ عشق مجازی عاشقوں کو اندھا بنا دیتا ہے اور عشق حقیقی عاشق کو بصیرت و بصارت عطا کرتا ہے۔ لیلیٰ کے عشق نے تجھے اندھا بنا دیا ہے اور اللہ و رسول کے عشق نے مجھے وہ بینائی عطا کی ہے۔ کہ مشرق و مغرب میری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ کیا تجھے نہیں معلوم؟ اللہ و رسول کا ایک عاشق مسجد نبوی کے ممبر پر کھڑے ہو کر سیکڑوں میل دور مقام نہاوند میں میدان جنگ ملاحظہ فرما رہا ہے۔ اور کمانڈنگ کے فرائض بھی انجام دے رہا ہے۔

محترم حاضرین کرام! حضرت آدم سے لے کر آج تک کی تاریخ پر آپ

گہری نظر ڈالتے جائیے۔ اللہ کا جو بندہ اپنے عشق میں جتنا مخلص تھا اتنا ہی اسے سخت سے سخت امتحان سے گزرنا پڑا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اس قدر امتحان وآزمائش سے گزارا۔ اور ہر آزمائش میں حضرت ابراہیم علیہ السلام تسلیم ورضا کے پیکر بن کر نکلے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی حق گوئی اور حقانیت کی بنیاد پر۔ اللہ سے محبت اور بتوں سے نفرت کی وجہ سے۔ حضرت ابراہیم کو نمرود نے نار نمرود میں ڈالنے کا حکم دیا اور حضرت ابراہیم اپنی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے بے خطر نار نمرود میں کود پڑے۔ اسی لیے شاعر کہتا ہے:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

محترم حاضرین! ذرا غور کیجئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بڑھاپا ہے۔ اسی سال کی عمر ہے۔ دعاؤں اور التجاؤں کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے گھر میں پیدا ہوئے۔ کتنی محبت ہوگی اس بوڑھے باپ کو اپنے اس اکلوتے بیٹے سے۔ اس کا اندازہ ہر انسان لگا سکتا ہے۔

حضرت اسماعیل کا ابھی شیر خوارگی کا عالم ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ نے اس عاشق بندے کو امتحان کے لیے ایک دوسرا حکم صادر فرمادیا: اے ابراہیم! اپنے اس نور نظر کو اس کی والدہ حضرت ہاجرہ کے ساتھ لے جاکر وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ آؤ۔ حکم ملنا تھا کہ حضرت ابرہیم نے سر تسلیم خم کردیا۔ بیٹے کو گود میں اٹھایا۔ کھانے کا سامان کاندھے پر رکھا۔ پانی کا گھڑا ہاتھ میں لے کر حضرت ہاجرہ کے ساتھ اس وادی غیر ذی زرع کے لیے نکل پڑے۔ جسے آج مکہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

وہاں نہ پانی ہے، نہ آدمی، نہ آدم زاد، نہ درختوں کی ہری بھری قطاریں۔

چلچلاتی ہوئی دھوپ۔ ہر طرف بڑے بڑے پہاڑوں کے سلسلے پھیلے ہوئے ہیں۔ وہاں لے جاکر خانۂ کعبہ کے قریب حضرت اسماعیل کو زمین پر لٹایا۔ کھانے پینے کے سامان رکھے اور خاموشی سے منھ پھیر کر چل دیے۔ حضرت ہاجرہ پیچھے پیچھے آواز دیتی جارہی ہیں: اے ابراہیم! ہمیں اکیلا چھوڑ کر کہاں جارہے ہو؟ یہاں نہ آدمی ہے، نہ آدم زاد، نہ درختوں کے سائے ہیں، نہ پانی کی نہریں۔ ہر طرف ہو کا عالم ہے۔ اس جگہ ہمیں تنہا چھوڑ کر کیوں جارہے ہو؟

حضرت ابراہیم ہیں کہ آگے بڑھتے جارہے ہیں۔ حضرت ہاجرہ پیچھے پیچھے پکارتی جارہی ہیں۔ جب حضرت ابراہیم کوئی جواب نہیں دے رہے ہیں تو حضرت ہاجرہ نے پوچھا کہ کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: بے شک یہ اللہ کا حکم ہے۔

حضرت ہاجرہ نے جب یہ سنا تو پکار اٹھیں: کہ جب اللہ کا حکم ہے تو ہم بھی اس کے حکم پر راضی برضا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہ فرمائے گا۔

غور فرمایئے کہ ایک بوڑھا باپ اپنے لخت جگر کو اس پرہول سناٹے میں اپنی ماں کے ساتھ یک وتنہا چھوڑ کر اللہ کے حکم پر عمل کرتا نظر آرہا ہے۔ عشق کا یہ وہ امتحان ہے کہ دنیا اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی۔

کچھ دنوں کے بعد جب کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے جب حضرت اسماعیل تڑپنے لگے تو حضرت ہاجرہ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ مگر حضرت ہاجرہ بھی صبر ورضا کی پیکر تھیں۔

چنانچہ پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کا چکر لگانے لگیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے امتحان کی کامیابی میں یہ انعام عطا فرمایا کہ حضرت اسماعیل کی ٹھوکروں سے آب زمزم کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ جو آج تک لوگوں کی سیرابی کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔

محترم حاضرین کرام! بس اتنے ہی پر ان لوگوں کے امتحان کا مرحلہ ختم نہ

ہوا۔ بلکہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام ۱۳؍۱۴؍سال کے ہوئے تو اللہ کا حکم آیا کہ اے ابراہیم! اپنے بیٹے کو ہماری راہ میں شہید کردو۔ اس حکم پر دونوں باپ بیٹے نے اپنا سر تسلیم خم کردیے۔ اور راضی برضا ہو کر وادی منیٰ کی طرف چل دیے۔ منیٰ کی وادی میں پہنچ کر حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو پیشانی کے بل لٹا کر، ان کی گردن پر چھری پھیر دی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی جگہ جنت کا مینڈھا رکھا۔ اور حضرت ابراہیم و اسماعیل کے امتحان کو کامیاب بنا دیا اور ارشاد ہوا: ”فَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَّاإِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذَالِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ، اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ“

پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے، ان کی اس کامیابی کو باقی رکھنے کے لیے، ساری دنیا کے مسلمانوں کو یہ حکم دے دیا کہ میرے محبوب بندے کی ان اداؤں پر عمل کر کے انھیں باقی رکھا جائے۔

محترم حاضرین! بندہ جتنا بڑا ہوتا ہے اور اللہ کو جتنا پیارا ہوتا ہے۔ اس کا امتحان بھی اتنا ہی مشکل ہوا کرتا ہے۔ ظاہر ہے جو جس پائے کا ہوگا اور جس مرتبہ کا ہوگا۔ اس کو اسی مرتبہ اور معیار کا امتحان بھی دینا ہوگا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو جتنا عظمت والا ہے اتنا ہی عظیم اس کا امتحان بھی ہوتا ہے۔ اور امتحان میں کامیابی کے بعد اتنا ہی عظیم مرتبہ حاصل ہوا کرتا ہے۔

ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”هُمَا سَيِّدَا شَبَابِ الْجَنَّةِ“

یہ دونوں میرے حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔

غور فرمائیے کہ جب اللہ کے پیارے رسول نے جنت کے جوانوں کی سرداری عطا فرمائی۔ اتنا بڑا مرتبہ عطا فرمایا۔ لہٰذا اسی مرتبہ کے لحاظ سے ان کا امتحان بھی لیا جائے گا۔

حضرت امام حسین وہ ہیں کہ جس کے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں اوران کے نانا امام المرسلین ہیں۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا" میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے دروازے ہیں۔

حضرت امام حسین وہ ہیں۔ جنھوں نے علم کے شہر میں پرورش پائی۔ جنھیں دن ورات علم کے دروازے سے گزرنا پڑا۔ اتنی بڑی درسگاہ کا پروردہ، اتنے عظیم استاذ کے شاگرد۔ لہٰذا ان کا امتحان بھی اسی معیار کا ہوگا۔ جس درسگاہ میں آپ نے تربیت پائی۔ وہاں شریعت وطریقت کا درس دیا جاتا تھا۔ صبر وشکر کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اتنے عظیم درسگاہ کا طالب علم۔ جس کا انعام پہلے ہی سے مقرر کردیا گیا۔ لہٰذا اس درسگاہ کی عظمت برقرار رکھنے کے لیے اور اتنے بڑے انعام کا مستحق بنانے کے لیے، ان کو اتنے ہی مشکل مرحلوں سے گزارا جائے گا۔ ان کو اوران کے پورے خانوادے کو تین دن تک بھوک و پیاس کی شدت سے دوچار کیا جائے گا۔ ان کی نگاہوں کے سامنے ان کے گھر کے ایک ایک فرد کو تیر وتلوار کا نشانہ بنایا جائے گا۔ ان کی لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا جائے گا۔ پھر ان کے صبر وشکر کو ساری دنیا پر ظاہر کرکے یہ بتادیا جائے گا کہ:

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دیں است حسین دیں پناہ است حسین
سرداد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لاالہ است حسین

محترم حاضرین! حضرت امام حسین کے بچپن ہی میں ان کی شہادت کا چرچا عام ہوگیا تھا۔ چنانچہ حضرت ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس میرے گھر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماتھے اور

ان کے سامنے حضرت امام حسین کھیل رہے تھے اور انھیں دیکھ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو رہے تھے۔ وہ فرماتی ہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر رنج وغم کے آثار نظر آئے۔ آپ غمگین ہو گئے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ابھی تو آپ امام حسین کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ آپ کے چہرۂ مبارک پر مسرت وشادمانی کے آثار نظر آرہے تھے۔ پھر اچانک آپ غمگین کیوں ہو گئے؟

حضور نے ارشاد فرمایا: اے ام سلمہ ابھی ابھی حضرت جبریل امین تشریف لائے تھے۔ اور انھوں نے مجھ سے کہا: یارسول اللہ! آپ اپنے لخت جگر کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ حالاں کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ آپ کا یہ نور نظر بھوک اور پیاس کے عالم میں میدان کربلا میں شہید کر دیا جائے گا۔ اور میرے لخت جگر کے خون سے کربلا کی سرزمین لالہ زار بن جائے گی۔ یہ سن کر میں غمگین ہو گیا۔ اے ام سلمہ! جس سرزمین پر میرا یہ نور نظر شہید کیا جائے گا۔ حضرت جبریل امین نے اس سرزمین کی مٹی مجھے دی ہے۔ لو یہ مٹی حفاظت سے رکھ لو۔ جس دن یہ مٹی سرخ ہو جائے۔ اس دن سمجھ لینا کہ میرا لخت جگر شہید کر دیا گیا۔

محترم حاضرین کرام! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور امہات المومنین کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اور حضرت خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرہ کو اس بات کا علم ہے کہ حضرت امام عالی مقام کے اوپر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جائیں گے۔ ان کے شہزادوں کو خاک وخون میں غلطاں کیا جائے گا۔ ان کے خیموں میں آگ لگائی جائے گی۔ ان کے گھر کی شہزادیوں کو بے پردہ کیا جائے گا۔ یہ معلوم تھا مگر کسی نے بھی یہ دعا نہ کی کہ اے پروردگار عالم! امام حسین کو آزمائشوں اور امتحان میں مت ڈال۔ اگر حضور دعا کر دیتے۔ اگر حضرت علی دست سوال پھیلا دیتے۔ اگر خاتون جنت التجا کر دیتیں۔ تو یقیناً رب تبارک

وتعالیٰ حضرت امام کو آزمائشوں میں مبتلا نہ کرتا۔ مگر کسی نے دعا نہ کی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ دنیا کے سامنے یہ مثال پیش کردی جائے کہ خانوادۂ رسول اس حیثیت اور صلاحیت کا مالک ہے کہ اسے جنت کا سردار بنایا جائے۔

ہر استاذ چاہتا ہے کہ میرا شاگرد امتحان میں شریک ہو۔ اور اپنی صلاحیتوں کے ذریعہ اچھے نمبروں سے کامیاب ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت امام حسین کے لیے نہ کوئی دعا کی گئی اور نہ حضرت امام عالی مقام نے میدان کربلا میں اپنی کرامتوں کا ظہور فرمایا۔

البتہ دعا کی گئی تو یہ کہ اے پروردگار عالم! میرے حسین کو صبر وشکر کی طاقت عطا فرمانا۔ ان کے پیروں میں لغزش نہ آنے پائے۔ باطل کے سامنے ان کا سر نہ جھکنے پائے۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی تقدیر میں شہادت لکھ دی، تو اس کے اسباب بھی پیدا فرمائے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کا لڑکا یزید جو اپنے وقت کا بہت بڑا فاسق وفاجر تھا۔ جس کا دن کتوں کے ساتھ شکار میں صرف ہوتا۔ اور راتیں شراب وکباب کی محفلوں میں گزارتا تھا۔ جو دو دو بہنوں کو ایک نکاح میں رکھتا تھا۔ اس نے مسند امامت پر بیٹھتے ہی یہ محسوس کیا کہ میری امارت وحکمرانی کی بقا کے لیے یہ ضروری ہے کہ میں امام حسین سے اپنی بیعت لے لوں۔

چنانچہ اس نے فوراً مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ کو یہ حکم دیا کہ میری خلافت کے لیے امام حسین، عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے بیعت لے لو۔

چنانچہ ولید بن عتبہ نے ان لوگوں سے جب بیعت لینی چاہی تو حضرت امام عالی مقام نے ارشاد فرمایا کہ مجھ جیسا معزز آدمی رات کی تاریکی میں بیعت نہیں کرے گا۔ لہٰذا کل دن کے اجالے میں تم مجھ سے بیعت کا مطالبہ کرو تو کوئی بات ہو۔

چنانچہ آپ وہیں سے واپس آئے اور اس رات رخت سفر باندھا اور نانا

جان کے روضۂ اقدس پر حاضری ہوئی۔ رو رو کر دعائیں مانگی اور رات کی تاریکی میں پورا کنبہ لے کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

حضرت امام عالی مقام نے یزید کی بیعت کے مقابلے میں ساری دشواری اور مصیبتیں جھیلنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ ارض مقدس چھوڑنے کا ارادہ کیا۔

جہاں پر آنے کے لیے ہر مسلمان بیقرار ہوتا ہے۔

جہاں پر دن ورات اللہ کی رحمتیں برستی ہیں۔

جہاں پر فرشتوں کے قافلے اترتے ہیں۔

جہاں نور ونکہت کی برسات ہوتی ہے۔

یہ وہ شہر مقدس ہے کہ وہاں جانے والا پکار اٹھتا ہے:۔

اے پائے نظر ہوش میں آ کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

یہ وہ محبت کی سرزمین ہے۔ جہاں سے عشق وعرفان کی دولت تقسیم کی جاتی ہے۔
یہاں آنے والا ادب کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور پکارنے والا پکار اٹھتا ہے:۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

محترم حاضرین کرام! غور فرمائیں حضرت امام عالی مقام کے اوپر کیا گزر رہی ہوگی۔ وہ ارض مقدس جہاں پر حضور کا روضۂ مقدس ہے۔ وہ سرزمین چھوٹ رہی ہے۔ حضرت امام عالی مقام اشک بار آنکھوں سے اس شہر کو الوداع کہتے ہیں۔

مکہ پہنچتے ہی کوفے والوں کے خطوط کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کوفہ کے بڑے بڑے لوگوں نے اس بات کی گزارش کی کہ آپ کوفہ تشریف لائیں۔ ہم آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ بڑے پختہ وعدوں کے ساتھ حضرت امام

عالی مقام کو بلانے کی دعوت دی جارہی ہے۔اور کہا جارہا ہے کہ اگر آپ تشریف نہ لائے تو ہم مجبور ہو کر یزید جیسے فاسق و فاجر کے ہاتھوں پر بیعت کرلیں گے۔

حضرت امام عالی مقام کو خلافت کی خواہش نہ تھی۔اگر خلافت ہی چاہتے تو حج کے موقع پر اعلان فرمادیتے کہ اے لوگو! میری خلافت پر آپ لوگ بیعت کرو۔تو سارا مجمع اور دور و نزدیک سے آئے ہوئے حجاج کرام آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلیتے۔اور آپ کو خلیفہ تسلیم کرلیتے۔

مگر حضرت امام عالی مقام کو خلافت کی خواہش نہ تھی۔انھیں تو صرف خوف کھائے جارہا تھا کہ اگر میں کوفہ نہ گیا اور لوگوں نے یزید کے ہاتھوں پر بیعت کرلی۔تو اگر کل میدان قیامت میں کوفیوں نے حضور کے سامنے یہ استغاثہ پیش کردیا کہ: یارسول اللہ! ہم حضرت امام کو بلاتے رہے۔مگر یہ تشریف نہ لائے۔مجبور ہو کر ہم نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی۔اور اسے خلیفہ تسلیم کیا۔امام حسین کے نہ آنے کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا۔

حضرت امام عالی مقام نے سوچا کہ اس استغاثہ کے جواب میں اپنے نانا جان کو کچھ نہ کہہ سکوں گا۔لہٰذا بہتر یہی ہے کہ میں کوفہ تشریف لے جاؤں۔

چنانچہ روکنے والوں نے روکا۔بہت گزارش کی کہ حضور آپ کوفہ نہ جائیں۔کیوں کہ کوفیوں کا دل تو آپ کے ساتھ ہوگا۔لیکن تلواریں یزید کے ساتھ ہونگی۔کوفہ والے جب آپ کے والد حضرت علی کے ساتھ وفاداری نہ نبھا سکے۔تو وہ آپ کو کب خاطر میں لائیں گے۔

غرض روکنے والے روکتے رہے۔لیکن حضرت امام عالی مقام نے کوفہ جانے کا پختہ ارادہ کرلیا۔یہ طے پایا کہ پہلے نمائندہ بنا کر اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیج دیا جائے۔وہ وہاں جا کر کوفیوں سے حضرت امام کے لیے بیعت لیں۔

چنانچہ حضرت مسلم بن عقیل، حضرت امام عالی مقام کے نمائندہ بن کر کوفہ

تشریف لے گئے۔ کوفیوں نے ان کا پرجوش استقبال کیا۔ ان کی راہوں میں آنکھیں بچھادیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے پینتیس ہزار لوگوں نے مسلم بن عقیل کے دست مبارک پر حضرت امام عالی مقام کے لیے بیعت کرلی۔

حضرت نعمان ابن بشیر جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے۔ جن کے دل میں خانوادۂ رسول کی الفت ومحبت کا چراغ روشن تھا۔

چنانچہ انھوں نے حضرت مسلم بن عقیل سے کوئی تعرض نہ کیا اور نہ کوئی رکاوٹ ڈالی۔ اس کی خبر یزید کے خیر خواہوں نے یزید تک پہنچادی کہ مسلم بن عقیل کے ہاتھوں پر لوگ بیعت ہورہے ہیں۔ اور نعمان ابن بشیر کوئی تعرض نہیں کررہے ہیں۔

یہ خبر جیسے ہی یزید کو ملی اس نے نعمان بن بشیر کو معزول کر کے ان کی جگہ ابن زیاد کو گورنر بنا کر کوفہ بھیج دیا۔ ابن زیاد وہ ہے۔ جس کے ظلم وستم سے ہمیشہ لوگ پریشان حال رہے۔ ابن زیاد رات کی تاریکی میں کوفہ میں اس راستہ سے داخل ہوا، جس راستہ سے مکہ والے آتے تھے۔

چنانچہ کوفہ والوں نے یہ سمجھا کہ حضرت امام عالی مقام مکہ سے تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ کوفہ والوں نے بڑا ہی پرتپاک اس کا استقبال کیا۔ اور حضرت امام عالی مقام کی عظمت وبزرگی کا نعرہ لگاتے ہوئے اسے قصر عمارت تک لے گئے۔ ابن زیاد کو حضرت امام عالی مقام کی اس عظمت کا جب احساس ہوا، تو اس کی نفرتوں میں اور اضافہ ہوگیا۔ قصر امارت میں داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر کے یہ اعلان کردیا گیا کہ نعمان ابن بشیر کو معزول کر کے ابن زیاد کو گورنر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ امام حسین نہیں بلکہ ابن زیاد تھا۔

ابن زیاد نے اسی رات اعلان کردیا کہ جن لوگوں نے حضرت مسلم بن عقیل کی بیعت کی ہے۔ وہ فوراً اپنی بیعت توڑدیں۔ اور کوئی شخص مسلم بن عقیل کو اپنے گھر میں پناہ نہ دے۔ اگر کوئی ابن زیاد کے اس حکم کی نافرمانی کرے گا تو اس

کے سارے خاندان کو تہہ تیغ کر دیا جائے گا۔

ابن زیاد کی طرف سے جیسے ہی یہ اعلان ہوا۔لوگ خوف زدہ ہوئے اور مسلم بن عقیل سے کنارہ کش ہونے لگے۔

چنانچہ دوسرے دن مغرب کے وقت جب حضرت مسلم بن عقیل نماز کی امامت کر رہے تھے اور ہزاروں لوگ ان کی اقتداء میں نماز میں شریک تھے۔جیسے ہی ابن زیاد کے منادی نے ابن زیاد کے حکم کا اعلان کیا۔لوگ اپنی اپنی نمازیں توڑ کر اپنے گھر چلے گئے۔حضرت مسلم بن عقیل نے جب نماز سے سلام پھیرا تو دیکھا کہ سارے لوگ جا چکے ہیں۔کوئی بھی ان کے پیچھے نہیں ہے۔وہ یک و تنہا ہیں۔

حضرت مسلم بڑے ہی مایوسی کے عالم میں مسجد سے نکلے۔ یہ سوچتے جارہے ہیں کہ میں نے حضرت امام عالی مقام کو اس بات کی خبر دے دی ہے کہ پینتیس ہزار لوگ بیعت ہو چکے ہیں۔اور آپ کا شدت سے انتظار ہو رہا ہے۔ لہٰذا آپ فوراً تشریف لائیں۔حضرت امام عالی مقام خط پاتے ہی کوفہ کے لیے روانہ ہو چکے ہوں گے۔افسوس کہ ان کوفیوں نے دغابازی کی۔اب میں امام عالی مقام کو کسی طرح مطلع بھی نہیں کر سکتا کہ آپ تشریف نہ لائیں۔

یہی سوچتے ہوئے وہ کوفے کی گلیوں سے گزر رہے ہیں۔ان کی نظر ایک عورت پر پڑی جو اپنے دروازے پر بیٹھی ہوئی تھی۔جس کا نام طوعہ تھا۔اس سے آپ نے ایک گلاس پانی مانگا۔اس نے پانی پیش کیا۔وہ پانی پی کر بیٹھے رہے۔

عورت نے پوچھا: آپ کون ہیں؟اور یہاں سے جاتے کیوں نہیں؟

حضرت مسلم نے فرمایا: کہ میں مسلم بن عقیل ہوں۔امام حسین کا بھائی ہوں۔اب میرا یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں۔سارا کوفہ میرا مخالف ہو چکا ہے۔

اس عورت نے حضرت مسلم کو پناہ دے دی اور اس کے گھر میں آپ تین دن تک چھپے رہے۔کسی طرح ابن زیاد کو خبر ہوگئی کہ حضرت مسلم بن عقیل فلاں

جگہ روپوش ہیں۔
چنانچہ ابن زیاد کی فوجوں نے دھوکے سے انھیں گرفتار کیا اور انھیں قصر امارت لے گئے۔ حضرت مسلم بن عقیل نے اپنی بہادری کا جوہر دکھاتے ہوئے چند یزیدیوں کو قتل کر دیا۔ مگر مسلسل یزیدیوں کی یلغار سے آپ نڈھال ہو گئے۔ اور بڑی بے کسی کے عالم میں آپ کو قتل کر کے آپ کی لاش قصر خلافت کے سامنے لٹکا دی گئی۔ اور اعلان کر دیا گیا کہ جو بھی حضرت امام حسین کی طرفداری کرے گا۔ اس کا یہی انجام ہوگا۔

ادھر حضرت امام عالی مقام، حضرت مسلم بن عقیل کا خط پڑھ کر خوشی خوشی کوفہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک شاعر جس کا نام ''فرزدق'' تھا اس سے ملاقات ہوگئی۔

فرزدق نے پوچھا: اے امام! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟

حضرت امام عالی مقام نے فرمایا: کہ میرے بھائی مسلم کا خط آ گیا ہے۔ لوگ میری بیعت کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں کوفہ جا رہا ہوں۔

فرزدق نے کہا: اے امام! آپ کوفہ نہ تشریف لے جائیں۔ کیوں کہ کوفیوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ان کا دل تو آپ کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ لیکن تلواریں یزیدیوں کے ساتھ ہوں گی۔

حضرت امام عالی مقام نے فرزدق کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ کوفہ کے قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ان کے بھائی حضرت مسلم اور ان کے دونوں صاحبزادے یزیدیوں کی تلوار سے شہید کر دیے گئے۔ جب معلوم ہوا تو ارادہ یہ ہوا کہ کہیں اور چلا جائے۔ لیکن حضرت مسلم کے دیگر گھر والوں نے یہ کہا کہ ہم حضرت مسلم کا بدلہ لے کر رہیں گے۔

چنانچہ یہ قافلہ اور آگے بڑھا۔ اس کی خبر ابن زیاد کو ہوئی تو اس نے اپنے

ایک جرنیل ''حرابن رباحی'' کو ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا اور یہ حکم دیا کہ حضرت امام عالی مقام کے قافلے کو گھیر کر میدان کربلا تک لایا جائے۔

رات کا سناٹا ہے۔ حضرت امام عالی مقام کے خیمے میں سارے لوگ اکٹھا ہیں۔ حضرت امام عالی مقام نے فرمایا کہ اے لوگو! یزید کو مجھ سے دشمنی ہے۔ وہ میرے خون کا پیاسا ہے۔ تم لوگوں سے اسے کوئی شکایت نہیں۔ لہٰذا میں روشنی گل کر دیتا ہوں۔ اس تاریکی میں تم لوگوں کو جہاں جی میں آئے۔ چلے جاؤ۔ اور اپنی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالو۔ تھوڑی دیر کے بعد جب روشنی کی گئی تو دیکھا گیا کہ سارے لوگ وہیں پر موجود ہیں۔

لوگوں نے کہا: اے امام عالی مقام! ہم اس مشکل وقت میں آپ کو یک وتنہا نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم اپنی جان آپ کے قدم ناز پر قربان کر دیں گے۔ ورنہ کل میدان قیامت میں آپ کے نانا جان نے ہم سے پوچھ لیا: اے میرے جانثارو! اے میرے کلمہ پڑھنے والو! تم نے میرے لخت جگر کو یک وتنہا چھوڑ دیا۔ تو بتایئے کیا جواب دیں گے۔

غرض ہر ایک نے اس بات کا اقرار کیا کہ ہم آپ کو اس حال میں اکیلا نہ چھوڑیں گے۔ اس کے بعد حضرت امام عالی مقام کا قافلہ آگے روانہ ہوا۔ حر بن رباحی کا لشکر بھی ساتھ ساتھ ہے۔ حر بن رباحی وہ ہیں۔ جس کے دل میں خانوادۂ رسول سے محبت ہے۔ لیکن ابن زیاد کے حکم کی وجہ سے مجبور بھی تھے۔

چنانچہ حرابن رباحی جب نماز کا وقت ہوتا تو اپنی نمازیں حضرت امام عالی مقام کی اقتداء میں ہی ادا کرتے تھے۔ اس طرح حضرت امام عالی مقام کا قافلہ ۲/محرم الحرام کو کربلا پہنچ گیا۔ وہاں خیمہ نصب کیا گیا۔ ابن زیاد کو جیسے ہی ان کی آمد کی خبر لگی۔ بائیس ہزار کا لشکر جرار دے کر عمرو بن سعد کو بھیجا اور یہ حکم دیا کہ جس طرح بھی ہو حضرت امام عالی مقام سے یزید کی بیعت لی جائے۔

عمرو ابن سعد سے حضرت امام عالی مقام کی گفتگو ہوئی۔
حضرت امام عالی مقام نے یزیدی لشکر کے سامنے جا کر پرزور تقریر کی۔ انھیں بتایا کہ میں کون ہوں۔ میرا درجہ کیا ہے۔ میں خود سے نہیں آیا۔ بلکہ لوگوں نے خط بھیج کر مجھے بلایا ہے۔ کیا تم لوگوں کی مہمان نوازی کا یہی انداز ہے کہ لوگوں کو بلاؤ اور پھر بعد میں اس کے قتل کے درپے ہو جاؤ۔
حضرت امام عالی مقام انھیں بار بار آگاہ کرتے کہ اے لوگو! میرے خون سے اپنا ہاتھ رنگین نہ کرو۔ اللہ کی گرفت سے بچو۔ تم لوگ جس کا کلمہ پڑھتے ہو۔ اس کا میں لخت جگر ہوں۔
ادھر سے جواب دیا جاتا کہ اے حسین! ہم صرف اس بات کے خواستگار ہیں کہ آپ یزید کے دست حق پرست پر بیعت کرلیں۔
امام عالی مقام فرماتے ہیں: اے یزیدیو! یہ خیال دل سے نکال دو کہ میں یزید جیسے فاجر و فاسق کے ہاتھ پر بیعت کر کے، اس کی امارت کو مستند بنا دوں۔ میری گردن تو کٹ سکتی ہے۔ لیکن یہ ہاتھ یزید کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا۔
جب یزیدیوں نے دیکھا کہ امام عالی مقام اس طرح بیعت پر تیار نہیں تو ان کو مجبور کرنے کے لیے ابن زیاد نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ ان پر پانی بند کر دیا جائے۔ جب بھوک، پیاس سے بیتاب ہوں گے تو لاچار ہو کر یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنی ہی ہوگی۔
چنانچہ نہر فرات پر پہرا بیٹھا دیا گیا۔ اور ان لوگوں کو پانی سے محروم کر دیا گیا۔ وقت گزرتا رہا۔ یہاں تک کہ دسویں محرم کی رات آگئی۔ جسے شب عاشورہ کہتے ہیں۔ کربلا کے قریب ہی ایک چھوٹی سی آبادی تھی۔ چند لوگوں کا ایک چھوٹا سا محلّہ تھا۔ وہاں ایک عاشق رسول اور امام عالی مقام سے محبت کرنے والی ایک عورت رہا کرتی تھی۔ اس کا ایک نوجوان بیٹا تھا۔ جس کی چند دن ہوئے شادی

ہوئی تھی۔ جس کا نام عبداللہ بن وہب کلبی تھا۔ جب اس عورت کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لخت جگر، حضرت خاتون جنت کے نور نظر کربلا کے میدان میں تشریف لائے ہیں۔ اور یزیدی لشکر انھیں نیست و نابود کرنا چاہتا ہے۔ تو اس نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بلایا اور کہا:

اے لخت جگر! میدان کربلا میں حضرت امام عالی مقام تشریف لائے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تم فوراً ان کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ۔ اور ان کی طرف سے لڑتے ہوئے۔ ان کی حفاظت کرتے ہوئے۔ ان کے قدم ناز پر قربان ہو جاؤ۔ تاکہ کل میدان قیامت میں حضور کے سامنے میں سرخرو ہو کر پہنچوں۔

بیٹے نے کہا: اماں جان میں اس کے لیے تیار ہوں۔ مگر میں اپنی بیوی کو اس کی خبر تو کر دوں۔

ماں نے کہا: عورتیں ناقص العقل ہوا کرتی ہیں۔ کہیں وہ اپنے دام محبت میں تم کو الجھا کر روک نہ لے۔ اس لیے اس سے ملنے کا خیال چھوڑ و اور سیدھے بارگاہ امام عالی مقام میں حاضر ہو جاؤ۔

بیٹے نے کہا: ٹھیک ہے۔ میں جا رہا ہوں۔

اتفاق سے بیوی بھی دروازے سے لگی ہوئی یہ باتیں سن رہی تھی۔

اس نے کہا: اے میرے سرتاج! یہ سعادت حاصل کرنے کے لیے آپ تنہا نہ جائیں۔ بلکہ مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔ تاکہ میں رسول پاک کی شہزادیوں کی خدمت کر کے جنت کی حقدار بن جاؤں۔

غرض یہ تینوں ماں، بیٹا اور اس کی بیوی بارگاہ امام عالی مقام میں حاضر ہو گئے۔

دسویں محرم کا دن ہے۔ حضرت امام عالی مقام اتمام حجت کے لیے یزیدی لشکر کے سامنے جاتے ہیں اور یزیدیوں کو اس بات کی تلقین کرتے ہیں:

اے لوگو! میرے خون سے ہاتھ رنگین کر کے جہنمی مت بنو۔ مجھے پہچانو۔

مجھے تم لوگوں نے ہی بلایا ہے۔ اور میرے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہو۔

اس کسمپرسی کے عالم میں بھی حضرت امام عالی مقام نے یزیدیوں پر یہ ظاہر کردیا کہ اے یزیدیو! مجھے مجبور نہ سمجھو۔ تم نے نہر فرات پر بھی پہرے بٹھادیے۔ اب بھی اگر میں چاہوں اور حکم دے دوں تو نہر فرات کا پانی میری دہلیز پر آکر موجیں مارنے لگے گا۔

مگر حضرت امام عالی مقام میدان کربلا میں اپنی کرامتیں دکھانے نہ گئے تھے۔ بلکہ عشق ومحبت کے امتحان میں سرخروئی حاصل کرنے گئے تھے۔ پھر بھی حضرت امام عالی مقام نے اپنے اختیار کا مظاہرہ کرکے یہ بتادیا کہ میں مجبور محض نہیں ہوں۔

چنانچہ ایک یزیدی نے کہا: اے حسین! یہ نہر فرات دیکھ رہے ہو۔ اس کا پانی کیسے موجیں مار رہا ہے۔ اس نہر سے کتے بلی تو سیراب ہوسکتے ہیں۔ لیکن تمہیں اس سے ایک قطرہ پانی نہ ملے گا۔

اتنا سننا تھا کہ ایک عاشق رسول نے اپنے کمان پر تیر چڑھادیا اور چاہا کہ اسے کیفر کردار تک پہنچادوں۔

حضرت امام عالی مقام نے ارشاد فرمایا: اے میرے جانثارو! تیر چلا کر جنگ کی ابتدا نہ کرو۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری طرف سے جنگ کی شروعات ہو۔ لیکن تمہاری تسکین خاطر کا مداوا بھی میرے پاس ہے۔

چنانچہ آپ نے دست دعا اٹھایا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کی: اے پروردگار عالم! اس ظالم کو پیاسا مار۔ اتنا کہنا تھا کہ اس یزیدی کا گھوڑا بھڑکا اور میدان میں دوڑنے لگا۔ وہ یزیدی گھوڑے کے پیچھے اس کو پکڑنے کے لیے دوڑا۔ ایک دو چکر کے بعد ہی چیخنے لگا:

"اَلْعَطَشْ اَلْعَطَشْ" پانی پلاؤ۔ پانی پلاؤ۔

یزیدی اس کو پانی پلاتے۔ لیکن ایک قطرہ بھی اس کے حلق سے نیچے نہ اترا۔

چنانچہ وہ پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گیا اور حضرت امام عالی مقام نے میدان کربلا میں یہ ثابت کر دیا کہ پانی پر ہماری حکومت ہے۔ہم جسے چاہیں اسے پانی نصیب ہوگا۔

حضرت امام عالی مقام نے اپنے خیمے کی حفاظت کے لیے چاروں طرف آگ جلوادی۔ جسے دیکھ کر ایک یزیدی نے کہا: اے حسین! جہنم کی آگ سے پہلے ہی اپنے اردگرد آگ لگالی۔

اتنا سننا تھا۔ کہ حضرت امام تڑپ اٹھے اور کہا: اے پروردگار! اس ظالم کو آگ کے عذاب میں مبتلا کر دے۔ اتنا کہنا تھا کہ اس کا گھوڑا اچھلا اور وہ گھوڑے کی پشت سے گرا لیکن اس کا پیر گھوڑے کی رقاب میں پھنسا رہ گیا۔ گھوڑا اس کو گھسیٹتا ہوا میدان میں دوڑتا رہا۔ بالآخر اسے آگ میں لے جا کر ڈال دیا۔

ان واقعات نے حضرت امام عالی مقام کا جو مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں ہے۔ اس سے ظاہر کر دیا۔ لیکن بزدل یزیدیوں کی آنکھوں پر ابن زیاد کے خوف و دہشت اور انعام و اکرام کے لالچ نے پردہ ڈال دیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ حضرت امام عالی مقام اور ان کے خانوادے کے قتل کے درپے تھے۔ حضرت امام عالی مقام کے اتمام حجت کے باوجود بھی ان کا مطالبہ اپنی جگہ پر برقرار تھا کہ آپ یزید کے لیے ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔

ایک طرف بائیس ہزار کا لشکر جرار ہے اور دوسری طرف صرف بہتّر جانثاروں کا ایک چھوٹا سا گروہ۔ جو حق و صداقت کا پیکر بن کر ناقابل تسخیر چٹان کی طرح میدان کربلا میں موجود ہیں۔ جنگ کی ابتداء ابن سعد کے اس تیر سے ہوئی جو اس نے حضرت امام عالی مقام کے خیمہ کی طرف پھینکا اور چلا اٹھا کہ:

اے لشکریو! گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر چلانے والا ابن سعد ہے۔

یہ حضرت سعد بن وقاص کا ناخلف بیٹا ہے۔ حضرت سعد بن وقاص وہ

ہیں۔ جو غزوۂ احد کے موقع پر کھڑے ہو کر دشمنان اسلام پر تیر برسایا کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں تیر عطا فرماتے۔ اور ارشاد فرماتے: اے سعد! تیر چلاؤ۔ تم پر میرے ماں باپ قربان۔

ذرا غور کیجیے! کس قدر فرق ہے دونوں کی زندگی میں اور دونوں کے خیالات میں۔ باپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں تیر اندازی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اور بیٹا حضور کے لخت جگر کے اوپر تیر پھینک کر فخر وغرور کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

بہر حال جنگ جب ناگزیر ہو گئی۔ سب سے پہلے عبداللہ بن وہب کلبی امام عالی مقام کی بارگاہ میں پہنچا اور عرض کیا: حضور مجھے اجازت دی جائے کہ میں لشکر یزید سے مقابلہ کروں اور جام شہادت نوش کرلوں۔

حضرت امام عالی مقام نے بادل نخواستہ میدان جنگ میں جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جناب عبداللہ ابن وہب کلبی داد شجاعت دیتے ہوئے متعدد دشمنوں کا سر قلم کرتے ہوئے حضرت امام عالی مقام کے عزت وناموس پر اپنے کو قربان کر دیا۔ دشمنوں نے ان کا سر تن سے جدا کر کے حضرت امام عالی مقام کے خیمے کی طرف پھینکا۔ عبداللہ ابن وہب کی نئی نویلی دلہن سر کے پاس آئی اور گریہ وزاری کرتے ہوئے دم توڑ دیا اور اس کی ماں بھی بیٹے کی جدائی برداشت نہ کر پائی اور یہ کہتے ہوئے:

اے لوگو! گواہ رہنا کہ آج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لخت جگر کے قدم ناز پر سب سے پہلے قربان ہونے والا میرا لخت جگر ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے بھی دم توڑ دیا۔

یہ پہلی شہادت تھی جو معرکۂ کربلا میں پیش آئی۔ اس کے بعد امام عالی مقام کے اعوان وانصار میدان کارزار میں یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ اور جام شہادت نوش کرتے رہے۔

حضرت علی عباس، عون ومحمد، حضرت قاسم کی شہادت کے بعد حضرت علی اکبر جو ہم شبیہ پیغمبر تھے۔ جنھیں دیکھ کر لوگوں کو حضور کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ وہ بارگاہ امام میں آئے اور اجازت طلب کی کہ مجھے معرکہ کارزار میں جانے کی اجازت دی جائے۔ اور حضرت امام عالی مقام نے ارشاد فرمایا: بیٹا تمہیں دیکھ کر نانا جان کی یاد آتی تھی۔ کس دل سے میں تمہیں میدان جنگ میں جانے کی اجازت دوں۔

علی اکبر جیسا کڑیل جوان بیٹا بیقرار ہو اٹھا اور مچل کر بولا: بابا جان رسول کی عزت وناموس کی حفاظت کے لیے میرا دل مچل رہا ہے۔ میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ نانا جان حوض کوثر پر کوثر کا جام لے کر میرا انتظار کر رہے ہیں۔ لہٰذا مجھے اجازت عنایت فرمائی جائے۔

غرض امام عالی مقام نے بادل نخواستہ دین متین کی حفاظت میں جان قربان کرنے کے لیے اس کڑیل جوان بیٹے کو اجازت مرحمت فرمائی۔ سر پر نانا جان کا عمامہ باندھا۔ ہاتھ میں ذوالفقار حیدری عنایت فرمائی اور اپنے ہاتھوں سے گھوڑے پر سوار کیا۔

علی اکبر وہ باغ رسالت کے مہکتے ہوئے پھول تھے۔ جن کی خوشبو سے لوگوں کی مشام جاں معطر ہو جاتی تھی۔ جن کی بہادری کا چرچا پورے ملک عرب میں تھا۔ آپ آگے کیا بڑھے کہ دیکھنے والا پکار اٹھا:

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے

غرض حضرت علی اکبر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے یزیدیوں کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ یزیدیوں کا میمنہ، میسرہ تتر بتر ہو گیا۔ بے شمار یزیدیوں کو تہہ تیغ کرنے کے بعد خیمہ کی طرف واپس آئے اور عرض کی:

باباجان!اگر پانی کے چند قطرے مل جاتے تو میں ان یزیدی لشکر کا صفایا کردیتا۔
حضرت امام عالی مقام نے فرمایا: نورِ نظر میدان میں جاؤ اور جام شہادت سے اپنی پیاس بجھاؤ۔ نانا جان حوضِ کوثر پر تمہارا انتظار فرما رہے ہیں۔ فرمایا: یہ انگوٹھی منہ میں رکھ لو۔ شاید اس سے تمہاری پیاس کا کچھ علاج ہو جائے۔
حضرت علی اکبر دشمنوں کے لشکر پر بجلی کی طرح چمکتے ہوئے صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے دادِ شجاعت دے رہے ہیں۔
ابن سعد نے للکارا: اے یزیدیو! تم اس طرح ان پر قابو نہ پاسکو گے۔ ان کے اوپر تیروں کی بارش کرو۔ نیزے پھینکو۔
چنانچہ تیروں کی بارش کی اور نیزوں کی برسات سے آپ کا جسم لہولہان ہوگیا۔ گھوڑے پر بیٹھنے کی تاب نہ رہی۔ کمزوری سے زمین پر گر پڑے اور ظالم یزیدیوں نے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے آپ کا جسم روند ڈالا اور آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔
حضرت امام عالی مقام آگے بڑھے اور حضرت علی اکبر کا لاشہ لے کر خیمے کے سامنے لٹا دیا۔ امام عالی مقام کے خیمے کے سامنے نہ جانے کتنے شہیدوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ جب کوئی لاشہ میدان سے اٹھا کر لاتے اور زمین پر رکھتے تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر عرض کرتے: اے پروردگارِ عالم! میری جانب سے یہ قربانی قبول فرما۔ اے پروردگارِ عالم! مجھے صبر کی طاقت عطا فرما اور راہِ حق میں ثابت قدم رکھ۔
اسی وقت خیمے میں ایک شور برپا ہوا۔ حضرت امام عالی مقام خیمے کے اندر تشریف لے گئے۔ پوچھا کیا بات ہے؟
حضرت زینب نے اپنے بھائی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: بھائی جان! آپ کا یہ ننھا علی اصغر پیاس سے تڑپ رہا ہے۔ زبان خشک ہو چکی ہے۔ آنکھیں

ویران ہیں۔ یزیدیوں کو اگر دشمنی ہے تو آپ سے۔ اس ننھے شیر خوار علی اصغر نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔ اس لیے آپ علی اصغر کو لے کر میدان کارزار میں جائیں اور یزیدیوں سے کہیں کہ اے یزیدیو! تم لوگوں کی دشمنی مجھ سے ہے۔ اس ننھے علی اصغر نے تمہارا کیا بگاڑا۔

حضرت زینب نے کہا: بھائی جان! انھیں لے جایئے اور ظالموں سے ان کے لیے پانی طلب کیجیے۔ مجھے یقین ہے ان ظالموں کے دل میں اس کے لیے رحم آجائے گا۔ اور پانی کے چند قطرے اسے مل جائیں گے۔ جس سے اس کی زندگی بچ جائے گی۔

غرض حضرت امام عالی مقام شیر خوار علی اصغر کو اپنے ہاتھوں پر لے کر یزیدی لشکر کی طرف بڑھے اور ان سے کہا: اے یزیدیو! ہمیں پانی نہیں دیتے مت دو۔ مگر اس شیر خوار بچے کو پانی کے چند قطرے دے دو۔ تاکہ اس کی زندگی بچ جائے۔

اس کے جواب میں ایک بدبخت یزیدی جس کا نام ''حرملہ'' تھا۔ اس نے ایک تیر ایسا مارا کہ حضرت علی اصغر کا حلقوم چھیدتا ہوا حضرت امام عالی مقام کے بازو میں پیوست ہوگیا۔ حضرت امام عالی مقام نے تیر ان کے حلقوم سے باہر نکالا۔ حضرت علی اصغر تڑپے اور جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت امام عالی مقام انھیں لے کر خیمے کی طرف واپس ہوئے۔

خیمے کے دروازے پر حضرت زینب، حضرت شہر بانو، حضرت ام رباب دیکھ رہی ہیں اور آپس میں یہ کہہ رہی ہیں کہ دیکھو ظالموں کو آخر رحم آ ہی گیا۔ بچہ پر سکون ہے۔ معلوم ہوتا ہے ظالموں نے پانی کے چند قطرے دے کر علی اصغر کی جان بچالی۔

حضرت امام عالی مقام آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے خیمہ کے پاس آئے اور فرمایا: لو اللہ تعالیٰ نے تمہاری یہ ننھی قربانی بھی قبول فرمالی۔

اب حضرت امام عالی مقام یک و تنہا ہیں۔

چنانچہ آپ نے جنگ کا لباس زیب تن کیا۔تمام اہل خیمہ کو صبر وشکر کی تلقین کی اور حضرت زین العابدین جو بیمار ہیں۔ان سے فرمایا کہ میرے بعد ان سب لوگوں کو لے کر مدینہ چلے جانا اور نانا جان کی قبر اطہر پر میرا اسلام محبت پیش کرنا اور کربلا کے سارے واقعات بیان کر دینا۔

غرض حضرت امام عالی مقام ایک مجاہدانہ شان وشوکت کے ساتھ میدان کارزار میں تشریف لائے اور یزیدیوں سے اتمام حجت کی اور پھر یزیدی لشکر کو تہہ تیغ کرتے رہے۔جس طرف رخ کرتے لاشوں کے انبار لگا دیتے۔

یزیدیوں نے جب یہ دیکھا کہ اس طرح تو ہمارا لشکر خاک وخون میں لت پت ہو جائے گا۔لہٰذا حضرت امام عالی مقام پر چاروں طرف سے تیروں کی بارش کی گئی۔نیزے مارے گئے۔تلواروں سے وار کیے گئے۔بالآخر زخموں کی تاب نہ لا کر حضرت امام عالی مقام گھوڑے سے نیچے گر پڑے۔لیکن اس کے باوجود کسی یزیدی میں یہ ہمت نہ تھی کہ حضرت امام عالی مقام کے پاس جاسکے۔

غرض جب بالکل توانائی باقی نہ رہی تو خولی ابن یزید آگے بڑھا اور اپنی تلوار سے حضرت امام عالی مقام کا سر تن سے جدا کر دیا اور ان کا سر اقدس نیزے پر بلند کر کے اپنی فتح اور کامیابی کا جشن منانے لگے۔

حضرت امام عالی مقام کا سر اقدس نیزے کی نوک پر بلند ہو کر اپنی بزرگی اور برتری، کامیابی اور کامرانی کا اعلان فرما رہا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آواز آرہی ہو:

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

وما علینا الا البلاغ

نعت شریف

علامہ فداء المصطفیٰ قادری

اے سرور عالم شاہ ہدیٰ اے دین کے رہبر نور خدا
یہ شمس و قمر یہ ارض و سما تیرے نور سے ہیں معمور

طیبہ سے چلی جب ٹھنڈی ہوا خوشبو سے مہک اٹھی ساری فضا
ہر برگ و شجر پہ چھایا نشہ سب ہو گئے ہیں مخمور

وہ ابر کرم ہے چھایا خوشیوں کا موسم آیا
ہر غنچۂ و گل نے سنبل نے مستی میں یہ نغمہ گایا
اے سرور عالم شاہ ھدیٰ..........

اے کاش مدینہ جاؤں جا کر نہ واپس آؤں
ہو گنبد خضریٰ پیش نظر اور جھوم کے نغمہ گاؤں
اے سرور عالم شاہ ہدیٰ...........

ہونٹوں پہ تبسم آیا ہر سمت اجالا چھایا
دندان نبی کی کرنوں نے صدیقہ کا گھر چمکایا
اے سرور عالم شاہ ہدیٰ..........

سرکار کی ہوگی عنایت محشر میں کریں گے شفاعت
ہم کو تو یقین کامل ہے ہم کو ہی ملے گی جنت
اے سرور عالم شاہ ہدیٰ.........

☆☆☆☆☆☆

نعت پاک

علامہ فداء المصطفیٰ قادری

ہر دل میں یاد تیری ہر لب پہ نام تیرا
اے رحمت دوعالم ہے ذکر عام تیرا

شمس وقمر ستارے سب میں تیری چمک ہے
بیلا گلاب جوہی سب میں تیری مہک ہے
ہر جز وکل میں جلوہ خیرالانام تیرا

سارے جہاں میں ظلمت کافور ہوگئی ہے
تیری چمک سے ہر شی معمور ہوگئی ہے
ہر سمت چل رہا ہے آقا نظام تیرا

صدیق کو صداقت فاروق کو عدالت
عثمان کو سخاوت کرار کو شجاعت
یہ سب ملا ہے ان کو پی کر کے جام تیرا

⌘

ولولہ انگیز تقریریں

مصنف

شہزادۂ حضور صدرالشریعہ علامہ

فداءالمصطفیٰ قادری

محمد منصف حسین امجدی رامپوری